اگر اپنوں میں مل بیٹھیں نہایت بھولے بھالے ہیں
جو بھِڑیں غیر سے، شدت عیاں قہرِ خدا کی ہے

حرمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

حقائق اور دلائل کی روشنی میں

(مغالطوں کی نشاندہی اور غلط فہمیوں کے ازالے کے ساتھ)

از

محمد معاویہ سعدی

شعبۂ تخصص فی الحدیث، مظاہر علوم، سہارنپور

مکتبہ دار السعادۃ سہارنپور

باسمہ تعالیٰ

کلماتِ تبرّک و دعا

از: حضرت الاستاذ مولانا محمد عاقل صاحب دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر المدرسین جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

بلا استثناء تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی عدالت وثقاہت اور تقویٰ وطہارت: اہل السنۃ والجماعۃ کے یہاں نصوص قطعیہ سے ثابت شدہ ایسا مسلّم مسئلہ ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش، یا بحث ومباحثہ کا موقع ہی نہیں ہے۔

میں سبق میں کہا کرتا ہوں کہ بڑے سے بڑے ناقدِ حدیث اور امامِ جرح وتعدیل کی ہمت نہیں ہے کہ وہ اَدنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی (جرح تو بہت دور کی بات ہے) تعدیل بھی کر دے، اس لیے کہ تعدیل تو اس کی، کی جاتی ہے جو محتاجِ تعدیل ہو، صحابہؓ کی عدالت تو مفروغ عنہا اور طے شدہ ہے، اُن کا صحابی ہونا ہی ان کی عدالت کی ضمانت ہے۔

مگر اس پرفتن دور میں جہاں اور بہت سے مسلّمات کو بھی مدلل طور پر بیان کرنے کی ضرورت پڑتی رہتی ہے، اسی طرح اس مسئلہ میں بھی ایسے شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جس سے خام اَذہان کے متاثر ہوجانے کا خطرہ تھا، اسی نزاکت اور ضرورت کا احساس کرکے ہمارے مدرسہ کے استاذ اور شعبۂ تخصص فی الحدیث کے رکن، مولوی محمد معاویہ سعدی سلمہ نے ''**حرمت صحابہ: حقائق ودلائل کی روشنی میں** (مغالطوں کی نشاندہی اور غلط فہمیوں کے اِزالہ کے ساتھ)'' کے نام سے یہ رسالہ مرتب کیا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی اس علمی کاوِش کو شرفِ قبول سے نواز کر قارئین کے لیے نافع اور موجبِ بصیرت، اور مؤلف کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وأصحابہ أجمعین، وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین.

محمد عاقل

۲۲/ربیع الاول ۱۴۴۰ھ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

اگر اپنوں میں مل بیٹھیں نہایت بھولے بھالے ہیں
جو بپھریں غیر سے، شدت عیاں قہر خدا کی ہے

حرمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

حقائق اور دلائل کی روشنی میں

(مغالطوں کی نشاندہی اور غلط فہمیوں کے ازالے کے ساتھ)

از

محمد معاویہ سعدی

شعبہ تخصص فی الحدیث، مظاہر علوم، سہارنپور

مکتبہ دار السعادۃ سہارنپور

تفصیلات

نام کتاب: حرمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم: حقائق اور دلائل کی روشنی میں

تصنیف: محمد معاویہ سعدی گورکھپوری

صفحات: ۵۶

سنۂ اشاعت: ربیع الاوّل ۱۴۴۰ھ/ دسمبر ۲۰۱۸ء

تعداد: ایک ہزار

ناشر: مکتبہ دارُالسّعادۃ سہارنپور

9411898605

ملنے کے پتے:

مکتبہ امدادالغرباء سہارنپور........................9084933756

مکتبہ حکیم الامت سہارنپور........................9759870037

مکتبہ رحمانیہ سہارنپور........................9557646849

مکتبہ فیض اشرف دیوبند........................9012710095

آئینۂ مضامین

لايزال طالب العلم عندى نبيلاً حتى يخوض فيماجرىٰ بين الماضين، ويَقضِى لبعضهم على بعض (قاله العلامة السبكیؒ)

صحابہؓ کی بزرگی

صحابہؓ ہیں رسول پاکؐ کی صحبت کی تاثیریں
یعلمهم کی تشریحیں، یزکیهم کی تفسیریں

کلام اللہ کے مثل اعتبار ان کا مسلّم ہے
وہ عادل ہیں تو ناطق ہیں کلامِ حق کی تحریریں

کِــــرَام ان کو کہا اللہ نے، بَــــرَرَہ کہا اُن کو
ملائک کو بھی ان القاب کی شامل ہیں تفسیریں

نبیؐ کو بھا گئی خود اپنی جس کھیتی کی شادابی
اسی قرآن میں محفوظ ہیں سب اس کی تعبیریں

نبیؐ نورِ خدا ہیں گو نہیں اس نور کا ٹکڑا
صحابہؓ ہیں نبی کے نور کی پر نور تنویریں

جلال ان کا جمالِ پاک حق بن کر پکار اٹھا
محمد کی غلامی سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

خود ان کی آنکھ ٹیڑھی ہے جسے ٹیڑھی نظر آئیں
رسولِ پاک کے دستِ مبارک کی یہ تعمیریں

صحابہؓ نے نبی پر اس طرح جانیں فدا کی ہیں
کہ مٹ سکتیں نہیں اب مَن قضی نحبہ کی تحریریں

لیے پھرتے تھے یوں حق کے لیے جانیں ہتھیلی پر
کھنچی ہیں صفحۂ من ینتظر پر اب بھی تصویریں

زمینِ قدس میں خونِ شہادت یوں سمویا ہے
صحابہؓ کا لہو ٹپکے اگر ذروں کا دِل چیریں

وہی ہے دینِ حق، ہم اور صحابہؓ جس پہ قائم ہیں
یہ ہوتی تھیں رسولِ پاکؐ کی پر کیف تقریریں

فلاحِ دوجہاں ہے پیرویٔ قومِ صحابہؓ کی
عبث ہے کیجیے اِس کے سوا گو لاکھ تدبیریں

صحابہؓ پر اگر شک ہے تو اپنے ہاتھ میں صوفیؔ
نمازیں ہیں، دعائیں ہیں، اَذانیں ہیں، نہ تکبیریں

(طالب علم اُس وقت تک سعادت مندر رہتا ہے جب تک گذشتہ بزرگوں کے اِختلافات میں پڑ کر، اُن کے درمیان حَکَم اور فیصل بننے کی کوشش نہ کرے) [طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۲۷۸/۲]

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

حرمتِ صحابہؓ

حقائق اور دلائل کی روشنی میں

ابتدائیہ

الحمدللّٰہ رب العالمین، والصلاة والسلام علی سید المرسلین، محمد وآله وأصحابه أجمعین، وعلی من تبعهم بإحسان إلی یوم الدین، وبعد:

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت وخدمت، اپنے دین کی نصرت وحمایت، اور مذہبِ اِسلام کی اِشاعت وشوکت کے لیے، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پوری جماعت کا، خصوصی اِنتخاب فرمایا تھا، اِسی لیے اِس قافلے کا ہر فرد اپنی ذات میں ایک انجمن، اور اِس بزم کا ہر شریک اپنے آپ میں ایک چراغِ روشن تھا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ﴿وسلام علی عبادہ الذین اصطفی﴾ [سورۃ النمل:۵۹] **هم أصحاب محمد اصطفاهم اللّٰه لنبیه** ۔ (تفسیر طبری، قرطبی، ابن کثیر)۔

کہ اللہ تعالی نے یہ جو فرمایا ہے کہ سلامتی ہو میرے منتخب بندوں پر، تو اِس سے مراد صحابۂ کرامؓ ہیں، جن کو اللہ تعالی نے اپنے نبی کے لیے منتخب فرمایا ہے۔

اِسی طرح کا مضمون حضرت ابن مسعود، ابن عمر اور حسن بصری رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی اِس آیت کی تفسیر سے الگ، مطلق طور پر منقول ہے [جامع بیان العلم ۲/۹۴۶]۔

صحابہ کی اِنہی خصوصیات اور امتیاز و انفرادیت کی بنا پر، اُمت نے ہمیشہ ان کے مقام و مرتبہ کا ہر طرح سے پاس و لحاظ کیا، اور بلا تفریق اور استثناء کے جماعتِ صحابہ کے ہر ہر فرد سے محبت، اس کے ادب و احترام اور عظمت و اِجلال کو اپنے فکر و عقیدے میں شامل رکھا۔

اہلِ بیت اَطہار کی محبت و عقیدت کے پہلو بہ پہلو؛ حبِّ صحابہ، عظمتِ صحابہ اور اتباعِ صحابہ کا فکر و عقیدہ: قرنِ اول ہی سے ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کا وہ تمغۂ امتیاز ہے، جس کے ذریعے اُن کا دامنِ اعتدال: اِفراط و تفریط کی دونوں انتہاؤں سے بچتے ہوئے نکلتا ہے۔

مگر حالات و انقلابات کے تناظر میں اِس کمالِ اعتدال کی خصوصیت کا بار بار استحضار، اور تکرار کرتے رہنا بھی ضروری ہے، اِسی لیے یہ سطور لکھی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرما کر ہم سب کے لیے نافع، شکوک و شبہات کے لیے رافع، اور فتنوں کے لیے دافع بنائیں، **وباللّٰہ التوفیق، وھو المستعان**۔

آج کل بعض لوگوں کی طرف سے اِس نازک اور حساس موضوع کو جس طرح سے الجھانے کی کوشش کی جارہی ہے، نہ چاہتے ہوئے بھی اُس سے تعرض کرنا ہی پڑا، کتاب کے آخری صفحات اسی تناظر میں ہیں۔

ضروری وضاحت:

یہ مضمون ابتداءً ''مقامِ صحابہ'' کے عنوان سے لکھنے کے بعد، بعض اہلِ علم کی خدمت میں نظرِ ثانی اور اصلاح کے لیے پیش کیا گیا تھا، مگر اُن حضرات کی رائے موصول ہونے سے پہلے ہی، جامعہ اشاعت العلوم، اکل کوا کے ماہانہ ترجمان ''شاہراہ علم'' کے فوری تقاضے کی بناء پر وہاں اِرسال کرنا پڑا، بعد میں جو آراء اور اصلاحات موصول ہوئیں اُن کی روشنی میں، اِس پر نظرِ ثانی کی گئی، اَب یہ فی الجملہ آخری شکل ہے، مگر ایک بشری عمل

میں اصلاح اور تبدیلی کے مواقع بہر حال باقی رہتے ہیں۔

اِس نظرِ ثانی میں جن حضرات کی آراء، ملاحظات اور اصلاحات سے بطورِ خاص اِستفادہ کیا گیا اُن میں دو نام بہت اہم ہیں:

۱:- برادرِ معظم حضرت مفتی زین الاسلام صاحب قاسمی، مفتیٔ دار العلوم، دیوبند

۲:- برادرِ محترم حضرت مفتی مجد القدوس خبیب رومی صاحب مظاہری، مفتیٔ شہر آگرہ،

فجزاهما الله عني خير ما يجزي به المحسنين المخلصين.

بالخصوص حضرت مفتی خبیب صاحب زاد مجدہ نے بعض اہم اصلاحات کے ساتھ ساتھ، موضوع سے متعلق بعض اہم مآخذ کی طرف بھی رہنمائی فرمائی۔

اِن کے علاوہ بعض احباب اور دوستوں (مثلاً مولوی عبد اللہ عمیر مظاہری، مولوی عابد مہاراشٹری مظاہری) کے بھی مفید مشوروں اور قابلِ قدر محنتوں سے فائدہ اُٹھایا گیا، بالخصوص عزیزم مولوی محمد ایوب سہارنپوری سلمہ، متخصص فی الحدیث، ومتعلم شعبۂ اِفتاء، اور عزیزم مولوی احمد حُمید فیروز آبادی سلمہ، متعلم شعبۂ افتاء (جامعہ مظاہر علوم) کا خاص تعاون شاملِ تحریر رہا۔

اللہ تعالیٰ ان سب کو میری طرف سے، اور پوری اُمت کی طرف سے بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائیں، اور ہم سب کو اِیمان وعقیدہ پر استقامت عطا فرمائیں، اور فکر وعمل ہر چیز میں مسلکِ جمہور پر ثبات قدمی سے نوازیں، آمین۔

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد وآله وأصحابه أجمعين، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

محمد معاویہ سعدی گورکھپوری

شعبۂ تخصص فی الحدیث

جامعہ مظاہر علوم، سہارنپور

۲۳ر ربیع الاول ۱۴۴۰ھ

۲ر دسمبر ۲۰۱۸ء

صحابہ کون؟

لفظِ ''صحابہ'': صحابی کی جمع ہے، جو صحبۃ، اور مصاحبت سے مشتق ہے، لغت میں ہر وہ شخص جو سفر یا حضر میں کسی کے ساتھ ایک لمحہ بھی رہ لے، تھوڑا بھی وقت گذار لے، وہ اُس کا صاحب اور مصاحب ہو جاتا ہے، مشہور لغوی ابو العباس الفیومی الحموی [ت: ۷۷۰ھ] فرماتے ہیں:

صَحِبتُه أصحَبُه صُحبةً فأنا صاحِبٌ، والجمع صَحُبٌ وأصحاب وصحابة ......، والأصل في هذا الإطلاق لمن حصل له رؤية ومجالسة، ووراء ذلک شروط للأصوليين. (المصباح المنير للفيومي).

(...... اِس کے اصل معنی تو ہیں مطلق رؤیت اور مجالست کے، مگر اصولیین نے اِس پر مزید کچھ شرطوں کا اِضافہ کیا ہے)۔

اُصولِ فقہ کے مشہور اِمام اور اپنے زمانہ کے رئیس الاشاعرہ قاضی ابوبکر باقلانیؒ [ت: ۴۰۳ھ] سے، حافظ خطیب بغدادیؒ ''الکفایۃ'' ص ۵۱ میں نقل کرتے ہیں:

لا خلاف بين أهل اللغة في أن القول ''صحابي'' مشتق من الصحبة، وأنه ليس بمشتق من قدر منها مخصوص، بل هو جارٍ على كل من صحب غيره؛ قليلاً أو كثيراً ......، يقال: صحبتُ فلاناً حولاً ودهراً وشهراً ويوماً وساعةً، فيوقع اسم المصاحبة بقليل ما يقع منها وكثيره، وذلک يوجب في حكم اللغة إجراءَ هذا على من صحب النبي صلى الله عليه وسلم ولو ساعةً من نهار، هذا هو الأصل في اشتقاق الاسم ...... إلخ.

(اہلِ لغت کے درمیان اِس میں کوئی اِختلاف نہیں ہے کہ لفظِ ''صحابی'':

’’صحبۃ‘‘ سے مشتق ہے، اس کی کسی خاص مقدار سے مقید نہیں، لہٰذا اِس کا اِطلاق ہر اُس شخص پر کیا جاسکتا ہے جو دوسرے کے ساتھ رہا ہو؛ کم یا زیادہ، کوئی شخص دوسرے کے ساتھ پوری زندگی رہے، یا ایک زمانہ، یا ایک سال، یا ایک ماہ، یا ایک دن، یا ایک ساعت، وہ ’’صحبتُ فلاناً‘‘ کہہ سکتا ہے، لفظِ مصاحبت مطلق ساتھ کے لیے بولا جاسکتا ہے، اور اِسی لغوی اشتقاق کی بنا پر ہر اُس شخص کو صحابی کہا جائے گا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہو؛ خواہ دن کے کچھ حصے ہی میں، اِس لفظ کا لغوی مفہوم یہی ہے......الخ)۔

اِمام نوویؒ ’’شرحِ مسلم‘‘ کے مقدمہ (ص ۱۹) میں فرماتے ہیں:

...... ويُستدل به على ترجيح مذهب المحدثين، فإن هذا الإمام قد نقل عن أهل اللغة أن الاسم يتناول صحبةَ ساعةٍ، وأكثر أهل الحديث قد نقلوا الاستعمال في الشرع والعرف على وفق اللغة، فوجب المصير.

(قاضی ابوبکر باقلانیؒ کے اِس کلام سے محدثین کے مذہب کی ترجیح پر استدلال کیا جاسکتا ہے، اِس لیے کہ وہ اہلِ لغت سے یہی نقل کررہے ہیں کہ مطلق صحبت کا اِطلاق ایک ساعت کے ساتھ پر بھی ہوتا ہے، اور اکثر محدثین نے اپنی اصطلاح لغت کی روشنی ہی میں مقرر کی ہے، لہٰذا اس کو قبول کرنا ضروری ہے)۔

اِسی لغوی معنی کی رعایت کے ساتھ اِمام احمدؒ، امام ابن المدینیؒ وغیرہ ائمۂ محدثین نے صحابی کی یہ تعریف کی ہے:

مَن صحب النبي صلى الله عليه وسلم سنةً، أو شهراً، أو يوماً، أو ساعةً، أو رآه، فهو من أصحابه. (الكفاية ص ۵۱، وفتح المغيث ۴/۷۸).

(جو ایک سال، یا ایک ماہ، یا ایک دن، یا ایک لمحہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہو، یا صرف آپ کو دیکھ ہی لیا ہو، وہ بھی صحابی ہے)۔

حافظ ابن الصلاح نے ’’مقدمة‘‘ ص ۲۹۳ میں، حافظ ابن کثیرؒ نے ’’اختصار

علوم الحديث ''ص۷۹ میں، حافظ زین الدین العراقی نے ''**التقييد والإيضاح**'' ص۲۹۱ میں، اِسی کے قریب قریب تعریف ذکر کی ہے۔

اور امام بخاری نے اپنی ''**صحیح**'' ۵۱۵/۱ میں **باب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم** کا باب قائم فرما کر، اِس طرح تعریف فرمائی ہے: **من صحب النبي صلى الله عليه وسلم، أو رآه من المسلمين، فهو من أصحابه** (اسلام کی حالت میں جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ لیا، یا آپ کو دیکھ لیا، وہ آپ کے صحابہ میں سے ہے)۔

حافظ ابن حجرؒ نے ''**الإصابة في تمييز الصحابة**'' کے مقدمہ میں، حافظ سخاویؒ نے ''**فتح المغيث**'' ۷۸/۴ میں، حافظ سیوطیؒ نے ''**تدريب الراوي**'' ۶۶۷/۲ میں، مذکورہ بالا تعریف کو جمہور فقہاء، محدثین اور اصولیین کی طرف منسوب کرتے ہوئے، اِس وضاحت کے ساتھ درست قرار دیا ہے کہ بشرطیکہ اسلام ہی پر اس کی موت بھی ہوئی ہو۔

صحابی کی تعریف اور بعض اہلِ اصول:

یہ جو کچھ تفصیلات عرض کی گئیں یہی جمہور اُمت کا مختار مسلک ہے، اِسی کو مذکورہ بالا محدثین نے صواب اور معتبر قرار دیا ہے، حافظ ابن کثیرؒ، حافظ زرکشیؒ، حافظ سخاویؒ، علامہ سیوطیؒ وغیرہ نے اِس کے علاوہ دیگر حضرات کے بھی پانچ مختلف اقوال ذکر کیے ہیں، مگر ان میں سے بعض کو شاذ، بعض کو باطل اور بعض کو اہلِ بدعت کا قول قرار دیا ہے۔

اُن ہی شاذ اقوال میں سے بعض فقہاء واُصولیین کا یہ قول بھی ہے کہ ''صحابی'' ہونے کے لیے: ایک معتد بہ مدت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنا ضروری ہے۔

اور اِس کے لیے وہ حضرات سیدنا حضرت انسؓ کے اُس قول سے استدلال کرتے ہیں جس میں آپ سے ''اَصحاب'' اور ''اَعراب'' کا فرق منقول ہے، کہ ''اصحاب'' تو وہ ہیں جو کچھ مدت تک آپ کے ساتھ رہے، اور ان کے علاوہ وہ لوگ

’’اَعراب‘‘ (یا اہلِ وفود) ہیں جن کو صرف رؤیت اور مختصر ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔

لغت سے اگر چہ اِس مفہوم کی بھی فی الجملہ تائید ہوتی ہے، مگر اِس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ:

☆ ایک تو ہے مطلق شرفِ صحابیت، وہ تو اِیمان کی حالت میں بس ایک نظر سے بھی حاصل ہو جاتا ہے، اور وہ اتنے ہی سے تقوی وعدالت اور خلوص وللّٰہیت کے اُس مقامِ بلند پر پہنچ جاتا ہے کہ بعد میں آنے والے تمام لوگوں پر اُس کا ادب واحترام لازم ہو جاتا ہے:

سیدنا حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: **لا تَسُبوا أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم، فلَمُقام أحدهم ساعةً خيرٌ من عمل أحدكم عمرَه** [سنن ابن ماجہ:۱۶۲]

(اَصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا مت کہو، کیوں کہ اُن کا ایک ساعت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا، تمہارے عمر بھر کے اعمال سے زیادہ خیر ہے)۔

صحابہ کی اِسی عدالت ودیانت کا اعتبار کرتے ہوئے اُن کی حدیث وروایت بھی علی الاطلاق معتبر مانی جاتی ہے، کیوں کہ حدیث کے قبول کیے جانے کے لیے راوی کے اندر ’’ضبط‘‘ (قوتِ حفظ) کے ساتھ ساتھ، بلکہ اُس سے بھی پہلے ’’عدالت‘‘ (اور ثقاہت) کا ہونا شرط ہے، لہٰذا جس کی عدالت مشکوک ہوتی ہے محدثینِ کرام اُس کی روایت ہی نہیں قبول فرماتے۔

امام مزیؒ وغیرہ علماء نے صراحت کی ہے: **إنه لم يوجد قطّ رواية عمن لُمز بالنفاق من الصحابة** [البحر المحيط للزركشي ۴: ۳۰۰] (ذخیرۂ احادیث میں کوئی بھی روایت کسی ایسے شخص سے نہیں ہے جو نفاق سے متہم کیا گیا ہو)۔

☆ اور ایک ہے کسی صحابی کا بحیثیتِ صحابیٔ رسول: بعد والوں کے لیے مقتدا اور لائقِ اتباع ہونا، تو یہ شرف یقیناً اُسی کو حاصل ہوگا جو کچھ نہ کچھ وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور خدمت میں رہا ہو، اور آپ سے دین کو سیکھا اور سمجھا ہو۔

حافظ سخاویؒ نے ’’فتح المغیث‘‘ ۴/۸۶ میں اِسی مضمون کو اپنے قول: (**لكن قد**

یجاب بأنه أراد إثبات صحبة خاصة لیست لتلک الأعراب، وهو المطابق للمسألة، وكذا إنما نفی أبو زرعة ومن أشیر إلیهم صحبةً خاصةً؛ دون العامة) میں اِجمالاً بیان فرمایا ہے۔

’’صحابیت‘‘ کے شرف کے لیے کسی خاص مدت تک کی صحبت ضروری نہیں، اِس کی سب بڑی دلیل وہ قصہ ہے جس میں ایک بدوی (دیہاتی) کو اَنصارِ مدینہ کی ہجو کرنے کے اِلزام میں حضرت عمرؓ کے دربار میں حاضر کیا گیا، حضرت نے جرم ثابت ہو جانے پر، یہ کہہ کر چھوڑ دیا:

لولا أن له صحبةً من رسول اللّٰه صلى اللّٰه علیه وسلم ما أدري ما نال فیها لكفیتموه، ولكن له صحبة.

(اگر اِس کو صحابیت کا وہ شرف حاصل نہ ہوتا جس کی برکت سے نہ معلوم یہ کس مقام پر پہنچ چکا ہے تو میں تمہاری طرف سے اِس کے لیے کافی ہو جاتا، مگر یہ صحابی ہے، اِس لیے جانے دو)۔

فتوقف عمر عن معاتبته، فضلاً عن معاقبته، لكونه علم أنه لقي النبي صلى اللّٰه علیه وسلم. وفي ذلک: أبینُ شاهدٍ على أنهم كانوا یعتقدون أن شأن الصحبة لا یعدله شيء.

(کہ حضرت عمرؓ نے سزا تو دور کی بات ہے، ڈانٹ ڈپٹ بھی نہیں فرمائی، صرف اِس وجہ سے کہ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لقاء حاصل تھا، اِس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کے ذہن میں بھی یہ بات تھی کہ شرفِ صحبت اور صحابیت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں)۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: کہ شرفِ صحبت خواہ کتنا بھی قلیل ہو، خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کے ہاں مطلق صحابہ کی تعظیم کا معمول ہمیشہ رہا، چنانچہ حضرت ابو سعید خدریؓ کے سامنے کسی نے حضرت امیر معاویہؓ پر کوئی تبصرہ کیا تو انھوں نے منع کرتے ہوئے، مندرجہ بالا قصہ سنایا۔ [فتح المغیث ۴/۱۰۰]

اِن تفصیلات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جس خوش نصیب کو

اِیمان کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جائے، وہ صحابی ہے، اُمت پر اُس کا ادب واحترام لازم ہے، اِس کی تائید اِس روایت سے بھی ہوتی ہے:

''لاتَمَسُّ النارُ مسلماً رآني'' [ترمذی:۵۸۳۸، وقال: حسن غریب......]

صحابہ کے طبقات:

اِسی بنا پر علماء نے قرآن واحادیث میں وارِد مختلف نصوص کی روشنی میں، طولِ صحبت اور قلتِ صحبت کے لحاظ سے، اِسی طرح سَوابق اور غزوات ومَشاہد میں شرکت کے اعتبار سے صحابہ کے طبقات بھی قائم فرمائے ہیں، جن میں: ایک طبقہ سابقینِ اولین کا ہے، ایک دارِارقم سے باہر آنے کے بعد اِسلام لانے والوں کا، ایک بیعتِ عَقَبہ میں شریک انصار کا، پھر غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والوں کا، پھر بیعتِ رضوان میں شریک حضرات کا، جن میں سیدنا حضرت مغیرہ بن شعبہؓ بھی ہیں، پھر فتحِ مکہ سے پہلے اِسلام لانے والوں کا، جن میں حضرت عمرو بن العاص اور خالد بن الولید رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔

پھر فتحِ مکہ کے موقع پر اِسلام لاکر غزوۂ حنین، یا غزوۂ تبوک میں شرکت کرنے والوں کا، جن میں سیدنا حضرت ابوسفیان، اُن کے دو قابلِ فخر فرزند: یزید ومعاویہ، عم زادۂ رسول ابوسفیان بن الحارث، صفوان بن امیہ، اور عکرمہ بن ابی جہل، رضی اللہ عنہم اجمعین، وغیرہم ہیں۔

اِن کے علاوہ پھر وہ حضرات ہیں جو بطور وفد کے آپ کی خدمت میں آئے، اور دو چار مجلسوں میں شریک ہوکر، اکتسابِ فیض فرمایا، اور واپس چلے گئے، آخری طبقہ اُن صحابہ کا ہے جو صرف حجۃ الوداع میں شریک ہوئے، اور آپ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ [معرفۃ علوم الحدیث للحاکم، وفتح المغیث للسخاوی، وتدریب الراوی للسیوطی وغیرہ]

مقامِ صحابہؓ:

بلحاظِ فرقِ مراتب، مذکورہ بالا تمام طبقات کے صحابہ کے بارے میں: ہمارا اور تمام اہلِ حق کا اِجماعی عقیدہ یہ ہے کہ زمین وآسمان کی نگاہوں نے انبیاء علیہم السلام کے

بعدان سے زیادہ مقدس اور پاکیزہ انسان نہیں دیکھے، حق وصداقت کے اِس مقدس قافلے کا ہر فرد اِتنا بلند کردار اور نفسانیت سے اس قدر دور تھا کہ انسانیت کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، اور اگر کسی سے کبھی کوئی لغزش ہوئی بھی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما کر ان کے جنتی ہونے کا اعلان فرما دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرامؓ کی اِس مقدس جماعت کے اِیمان وعقیدہ، فکر وعمل، تقویٰ وطہارت، عدالت ودیانت اور صدق وامانت کی گواہی دیتے ہوئے صاف لفظوں میں اِرشاد فرمادیا ہے:

﴿وَلَكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ﴾ [الحجرات:۷]

(یقیناً اللہ نے اِیمان تمہیں محبوب بنادیا ہے اور اس کو تمہارے قلوب میں سجادیا ہے، اور کفر، فسق اور عصیان تمہیں ناگوار کردیا ہے، یہی ہیں وہ لوگ جو ہدایت یافتہ ہیں)۔

اور اِرشاد ہے: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ [الحجرات:۳] (یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ نے تقویٰ کے لیے آزمالیا ہے، ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم کی بشارت ہے)۔

متاخرین صحابہؓ کا مقام:

کہنے والے کہہ سکتے تھے کہ یہ سب فضیلتیں اور خدائی وعدے صرف سابقین اولین اور مشاہیر صحابہ کے لیے ہیں، آخر آخر میں اسلام لانے والے اور مختصر مدت کا شرفِ صحبت حاصل کرنے والے ان فضائل کے مستحق اور ان وعدوں کے مخاطب نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے اہل تشکیک وتلبیس کے لیے اس کا کوئی موقع باقی نہیں رہنے دیا، اور نہایت وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا:

﴿لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ

دَرَجَةً مِنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَکُلًّا وَعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی﴾ [الحدید:۹]

(فتحِ مکہ سے پہلے اسلام لاکر اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والوں اور جہاد کرنے والوں کے برابر وہ لوگ نہیں ہو سکتے جنہوں نے یہ قربانیاں فتحِ مکہ کے بعد پیش کی ہیں، فتحِ مکہ سے پہلے کے لوگوں کا مرتبہ بہرحال بڑھا ہوا ہے، مگر اللہ نے ''حسنیٰ'' کا وعدہ دونوں ہی سے کر رکھا ہے):

آسماں نسبت بہ عرش آمد فرود لیک بس عالیست پیش خاک بود

(آسمان اگرچہ عرش کی بہ نسبت پست ہے، مگر ایک خاک کے ٹیلے کے سامنے تو بہت بلند ہے)

پھر جن لوگوں سے اللہ نے ''حسنیٰ'' کا وعدہ کرلیا ہے، اُن کی مغفرت، نجات اور جنت یقینی ہے، حتی کہ وہ سزا بھگتنے کے لیے بھی جہنم میں نہیں جائیں گے، اِرشادِ ربانی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِنَّا الْحُسْنٰی اُولٰٓئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ﴾ [الانبیاء: ۱۰۱]

(بے شک جن لوگوں سے ہماری طرف سے حسنیٰ کا وعدہ ہو چکا ہے وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے)۔

اِسی طرح ایک موقع پر اللہ تعالیٰ نے غزوۂ تبوک (غزوۂ عسرت) میں شرکت کرنے والوں کی مغفرت کی بھی بشارت دی ہے۔[التوبۃ:۱۱۷]

اور یہ معلوم ہے کہ غزوۂ تبوک، فتحِ مکہ کے بعد، سنہ ۹ھ میں پیش آیا تھا، جس میں کھلم کھلا منافقین کے علاوہ، معدودے چند صحابہؓ ایسے رہ گئے تھے جو شریکِ جہاد نہ ہوئے ہوں، باقی تمام صحابہ نے اُس تاریخی غزوہ میں شریک ہوکر جنت کی بشارت حاصل کی تھی۔

اِنہی نصوص کی بناء پر علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں: **فثبت أن الجمیع من أھل الجنة، وأنہ لا یدخل أحدٌ منھم النار، لأنھم المخاطَبون بالآیة السابقة ...... وقال: الصحابة کلھم من أھل الجنة قطعاً.** [فتح المغیث ۴/۹۷]

(تو ثابت ہوا کہ تمام صحابہؓ جنتی ہیں، کوئی بھی اُن میں سے جہنم میں نہیں جائے گا، اِس

لیے کہ مذکورہ بالا آیات کے مخاطب وہی ہیں......،اور فرماتے ہیں: تمام صحابہ کا جنتی ہونا قطعی ہے)۔

اِسی لیے ''**لاتَمَسُّ النارُ مسلماً رآني**'' [ترمذی:۵۸۳۸] (جس نے اسلام کی حالت میں مجھے دیکھ لیا اُسے آگ نہیں چھوئے گی): جیسی اَحادیث بلحاظِ مضمون بالکل صحیح ہیں۔

صحابہ کی لغزشیں اور جمہورِ اُمت کا موقف:

''عصمت'' یقیناً انبیائے کرام (یا ملائک) علیہم السلام کی خصوصیت ہے، ان کے علاوہ کوئی بھی فردِ بشر لغزش کے اِمکانات سے محفوظ نہیں، مگر یہ خطا اور لغزش جس کی جناب میں صادر ہو رہی ہے جب وہی معاف کرنے کے لیے تیار ہے، اسی کی طرف سے رضا وخوشنودی کا پروانہ عطا ہو رہا ہے تو ہمہ شما کون ہوتے ہیں اس پر اعتراض کرنے والے؟!۔

۱:-سیدنا حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے بظاہر اتنی بڑی غلطی سرزد ہوئی کہ انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر مسلمانوں کے جنگی راز کو افشاء کرنے کی کوشش کی، جرم پکڑا گیا، اقبال بھی فرمالیا، سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے اختیار اٹھے اور گردن مارنے کی اجازت طلب کی، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''یہ بدری صحابی ہیں، اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا ہے: ''**اعملوا ما شئتم فقد غفر الله لکم**'' [بخاری:۳۹۸۳، مسلم:۲۴۹۴] (اے اہلِ بدر! جو چاہو کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے سب گناہ معاف فرما چکا ہے)۔

۲:-سیدنا حضرت ماعز الاسلمی اور ایک غامدیہ صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ازراہِ بشریت زنا کا گناہ سرزد ہوگیا تھا، خود ہی آکر بارگاہِ نبوت میں باصرار، اِقرار واِعتراف فرمایا، اور نتیجتاً سنگسار کردیئے گئے، بعض صحابہ کی زبان سے ان کے بارے میں کوئی سخت جملہ نکل گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا، آپ نے سختی سے نکیر فرمائی، اور حضرت ماعز اسلمیؓ کے بارے میں اِرشاد فرمایا:

’’لقد تاب توبةً لو قُسمت بین أمة لوسعتهم‘‘ [ابوداود۲/۶۰۸]

اور غامدیہ صحابیہؓ کے بارے میں ارشاد ہوا: ’’لقد تابت توبةً لو قُسمت بین سبعین من أهل المدينة لوسعتهم‘‘ [ابوداود۲/۶۰۹] کہ اِن دونوں نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر یہ توبہ ایک پوری قوم اور نسل پر بھی تقسیم کی جائے تو سب کے لیے کافی ہو جائے۔

اور ایک روایت میں حضرت ماعزؓ سے متعلق یہ بھی اِضافہ ہے کہ ’’وہ اِس وقت جنت کی نہروں میں غوطہ زن ہیں‘‘ (سبحان اللہ!)۔

۳-عبداللہ نام کے ایک صحابی ہیں، اُن کو اُن کی ظریفانہ اور پُر لطف عادات کی وجہ سے صحابہ آپس میں ’’حمار‘‘ کہا کرتے تھے، ان کو شراب کی عادت تھی، چھوٹ نہیں رہی تھی، بار بار بارگاہِ رسالت میں لائے جاتے، کوڑے لگتے، مگر وہ عادت نہیں گئی، ایک صحابی نے جذبات میں آ کر ان پر لعنت بھیج دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا، فوراً ہی تنبیہ فرمائی اور اِرشاد فرمایا: ’’جہاں تک میں جانتا ہوں یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہی کرتا ہے‘‘ (بخاری۲/۱۰۰۲)۔

اِنسان سے غلطی کا ہو جانا، یہ کوئی مستبعد اَمر اور قابلِ تعجب بات نہیں، دیکھنے کی اہم چیز یہ ہوتی ہے کہ غلطی کرنے والا انسان ہے کون؟ پھر اُس نے اپنی غلطی کا تدارک کیسے کیا ہے؟ اسی سے اس کا مرتبہ پہچانا جاتا ہے: ’’کلُّکم خطاؤون، وخیر الخطائین التوابون‘‘ (خطا تو تم سب ہی سے ہوتی ہے، مگر بہترین خطا کار وہ ہیں جو توبہ بھی کر لیتے ہیں) [ترمذی: ۲۴۹۹، وابن ماجہ: ۴۲۵۱]۔ پھر کس کی توبہ کیسی ہو رہی ہے، اور اللہ تعالیٰ کو کتنی پسند آ رہی ہے؟ اِس کا تعلق دوسروں سے ہے ہی نہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ہاں بتقاضائے بشریت غلطیوں کے اِنہی اِمکانات کی بناء پر بعد والوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ اُن کے لیے اور اپنے لیے یہ دعا کیا کرو:

﴿ربَّنا اغْفِرْ لنا ولإخوانِنا الَّذِين سَبَقُونا بالإيمانِ، ولا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنا غِلًّا لِلَّذِيْنَ آمَنُوا، رَبَّنا إنَّک رَؤُوفٌ رَحِيْمٌ﴾ [الحشر: ۱۰]

(اے ہمارے رب! مغفرت فرمادیجیے ہماری بھی اور ہمارے اُن بھائیوں کی بھی جو اِیمان کے ساتھ ہم سے پہلے گذر چکے، اور نہ رکھیے کھوٹ ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے، اے رب! آپ تو بڑے مہربان اور رحم والے ہیں)۔

یہ لغزشیں کیوں معاف ہیں؟

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اِس طرح کی لغزشوں کے صدور سے متعلق اہلِ حق کا فکر وعقیدہ کیا ہے؟ اس کی وضاحت ذیل کی تفصیلات سے ہوتی ہے:

۱:- صحابہ سے ایسی غلطیوں کے سرزد ہو جانے کے باوجود اللہ ورسول کی اُن سے رضامندی اور خوشنودی کے مضمون کو حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے (اپنے ایک وعظ ''فوائد الصحبۃ'' ص ۱۵ میں) بہت عام فہم انداز میں سمجھایا ہے، فرماتے ہیں:

''......تو صحابۂ کرام کی محبت کا یہ عالم تھا، اور اس محبت کا مقتضا یہ بھی ہے کہ صحابہؓ کی زلات (ولغزشات) بالکل معاف ہوں، دیکھئے! اگر کسی جاں نثار خادم سے کبھی کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو اس کی پرواہ بھی نہیں کیا کرتے، ابھی حال میں ایک واقعہ ہوا کہ ایک صاحب کے بدن میں ایک گہرا زخم ہو گیا تھا، ڈاکٹر نے دیکھ کر کہا کہ اس زخم میں اگر آدمی کا گوشت لے کر بھرا جائے تو یہ برابر ہو جائے، ان صاحب کا ایک نوکر موجود تھا، کہنے لگا کہ میری ران میں سے جس قدر گوشت کی ضرورت ہو لے لیا جائے۔

اب بتلایئے کہ اگر اس خادم سے کبھی کوئی سرسری لغزش ہو جائے تو کیا وہ آقا اس پر مؤاخذہ کرے گا؟ ہرگز نہیں! پس یہی وجہ ہے کہ صحابہ پر طعن کرنا جائز نہیں۔

صاحبو! جو مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں اور جتنی لغزشیں ہوئی ہیں، اگر ان سے دس حصہ زیادہ ہوتیں وہ بھی معاف تھیں، غضب کی بات ہے کہ آپ اپنے کو قدرداں سمجھتے ہیں کہ وفادار، جاں نثار کی لغزش کو قابل معافی سمجھتے ہیں، اور خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا بھی قدرداں نہیں سمجھتے!!۔

اسی لیے ہم بلاتأمل کہتے ہیں کہ ''**الصحابة كلهم عدول**'' (صحابہ سب کے سب عادل ہیں)، اور اِس پر اعتماد رکھتے ہیں: ''**لاتمس النار من رآني**'' (جس شخص نے اِیمان کی حالت میں مجھے دیکھا اور ایمان ہی پر مر گیا، تو اُسے جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی)۔

اور اگر صحابہ کے بعض اَقوال زلت (اور لغزش) ہیں تو ہم اُن کی نسبت کہیں گے:

خونِ شہیداں زِ آب اولیٰ ترست　　　　ایں خطا از صد صواب اولیٰ ترست

(شہیدوں کا خون پانی سے اَولیٰ تر ہے، یہ خطا اور غلطی، سو درستگی سے زیادہ بہتر ہے)''۔

۲:-صحابۂ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین کی زلات ولغزشات کی توجیہ میں بعض شراحِ حدیث نے ایک عجیب مضمون بیان فرمایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ کو ایسی شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا تھا جس کو قیامت تک کے لیے جاری اور ساری ہونا تھا، تو جو افعال واعمال شانِ نبوت کے لائق تھے اُن کے عملی نمونہ کا ظہور تو آپ کی ذات گرامی سے ہوا، اور جن اعمال کا صدور شانِ نبوت کے منافی تھا اس کے عملی نمونہ کے لیے صحابۂ کرام کی جماعت کا انتخاب کیا گیا''۔ جیسا کہ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے:

''**اختارَهم الله لصحبةِ نبيه و إقامة دينه**'' [جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر: ۱۸۱۰] (اِن کا انتخاب ہی ہوا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور دین کے قیام کے لیے)۔

پھر اِقامتِ دین کے لیے تکوینی مصلحتوں کے تحت اُن میں سے جس سے ایسی غلطیوں اور خطاؤں کا صدور کرایا گیا اُس کو پروانۂ مغفرت اور رضامندی عطا فرما کر، اُس کی اِس عظیم الشان قربانی کا بہترین صلہ دے دیا گیا۔

لغزشیں بیان کیوں کی جاتی ہیں؟

یہیں سے اُن لوگوں کا اِعتراض بھی دفع ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ جب صحابۂ کرامؓ کی عزت وعظمت ایسی ہی مقدس چیز تھی تو پھر علماء اور بزرگوں نے اُن کی لغزشات اور

زلّات کو اپنے ہاں ذکر ہی کیوں کیا؟ اگر نہ ذکر کرتے تو ہم لوگوں کو پتہ ہی نہ چلتا، اور وہ چیزیں وہیں کی وہیں ختم ہو جاتیں!!

مگر اَب یہ بات سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ اِن لغزشوں کا صدور اگر چہ نظامِ تکوین کے تحت تھا، مگر چوں کہ پھر اُس سے تشریعی فوائد بھی متعلق ہو گئے تھے، اِس لیے آئندہ والوں کو اس کا علم ہونا یقیناً فائدے سے خالی نہ رہا، مثلاً:

(۱) خدانخواستہ اگر کسی مسلمان سے کوئی گناہِ کبیرہ سرزد ہو جائے تو اس کو کیسی شرمندگی اور احساسِ ندامت ہونا چاہیے؟ (۲) حدود کیسے جاری کی جائیں؟ (۳) پھر غیبت اور بہتان کے کیا اَحکام ہیں؟ کیا مسائل ہیں؟ (۴) بالخصوص صحابہؓ پر سبّ وشتم اور تنقید وتبصرہ کا کیا حکم ہے؟ یہ تمام تشریعی فائدے اِسی طرح کے واقعات سے حاصل ہوتے ہیں، جیسا کہ واقعۂ اِفک کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تسلّی دیتے ہوئے فرمایا تھا: ﴿لا تحسبوہ شراً لکم، بل ھو خیر لکم﴾[النور:۱۱] (اِس حادثے کو تم لوگ اپنے لیے شر نہ سمجھو، بلکہ یہ تو تمہارے لیے باعثِ خیر ہے)۔

ہر بات مثبت پہلو ہی سے نہیں ذکر کی جاتی، بلکہ خیر کو اِس لیے ذکر کیا جاتا ہے تاکہ لوگ اُس کو اِختیار کریں، اور ساتھ ساتھ شر کو بھی ذکر کر دیا جاتا ہے، تاکہ لوگ اُس سے خود کو بچا سکیں، جیسا کہ اِمام مسلمؒ نے بھی اپنی ''صحیح'' کے مقدمہ میں (۲۱/۱) اِس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بھی تو دنیا میں خیر وشر دونوں ہی کا سلسلہ چلایا ہے!! یہ بھی نظامِ تکوین کا حصہ ہے، اِسی کے ذریعے لوگوں کی آزمائش ہوتی ہے، ورنہ اگر صرف خیر ہی خیر کا پہلو رہتا تو آزمائش کیوں کر ہوتی؟

خلاصہ یہ کہ جس طرح صحابۂ کرام نے اِقامتِ دین اور نصرتِ اسلام کے لیے اپنی قیمتی جانوں، اور گھر کے اسباب اور اثاثوں تک کا نذرانہ پیش کیا، اِسی طرح راہِ خدا میں اپنی عزت وآبرو بھی قربان کر دی، رضي اللہ عنھم، ورضوا عنہ.

مشاجراتِ صحابہؓ:

اِسی سے ''مشاجراتِ صحابہ'' کا مسئلہ بھی حل ہوجاتا ہے، کہ آپسی اختلاف اور تنازع کی کسی بھی شکل کا زمانۂ نبوت میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، اس لیے کہ آپ سے اختلاف کرنے والا تو کافر ہوجاتا، اور اُلجھے ہوئے آپسی تنازعات کے مسئلے کے لیے اُمت کو ایک عملی نمونہ کی ضرورت بہرحال تھی، لہٰذا اُس کا ظہور اس وقت ہوا جب اِسلام کی ساری بنیادیں مضبوط اور مستحکم ہوچکی تھیں، چنانچہ مشاجراتِ صحابہ کے اِن واقعات سے بھی اُمت کو یہ اہم شرعی تعلیمات حاصل ہوئیں کہ:

أ: حفاظتِ حق کے لیے آپس میں تلوار بھی چلانی پڑے تو وہ بھی مطلوب ہے، جیسا کہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ، اور اَصحابِ جمل اور اَصحابِ صفین رضی اللہ عنہم نے یہ اِقدام فرمایا، کہ ہر فریق خود کو حق پر، اور دوسرے کو خلافِ حق پر سمجھتے ہوئے، اُس کے خلاف قتال کو جائز، بلکہ ضروری سمجھ رہا تھا۔

اِسی سے اُس طبقے کی غلط فہمی کا اِزالہ ہوجاتا ہے جو ''اُمت کے اتحاد'' کے خوش نما عنوان سے حق و باطل میں خلط کرنا چاہتا ہے، اور اہلِ حق کو یہ طعنہ دیتا ہے کہ یہ لوگ اُمت میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے ہم سے اِتفاق کے لیے تیار نہیں ہوتے، صحابۂ کرام نے اپنی بے مثال عزیمت واستقامت کے ذریعے اُمت کو یہ پیغام دیا ہے کہ سمجھوتہ ''حق کا اطمینان'' کرکے کیا جاتا ہے، مطلق اِتحاد مطلوب نہیں۔

اور یہیں سے اُن حضرات کی غلط فہمی بھی دور ہوجاتی ہے جو ہر موقع کے لیے نرمی، خوش اَخلاقی اور تحمل و برداشت کی تعلیم دیتے ہیں، حالاں کی یہ سب اُمور ''دعوتی اُسلوب'' کے تحت آتے ہیں، ''حفاظتی اُصول'' کے تحت نہیں۔

ب: ایسے اُلجھے ہوئے معاملات میں جب تک کسی ایک جانب میں حق اچھی طرح واضح نہ ہوجائے، اُس وقت تک کسی حلقے یا شخصیت کا فریق نہیں بننا چاہیے، جیسا کہ مشاجرات

کے اِس مسئلے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایک بڑی جماعت نے یہی طرزِ عمل اِختیار فرمایا، اور جب حق واضح ہوجائے تو بقدرِ استطاعت اہلِ حق کا ساتھ دینا چاہیے، جیسا کہ دیگر صحابہ نے کیا، کہ بعض نے حضرت علیؓ کو حق پر سمجھا، آپ کا ساتھ دیا، اور بعض نے پہلے حضرت عائشہؓ کو، اور پھر حضرت امیر معاویہؓ کو حق پر سمجھ کر آپ کا ساتھ دیا۔

ج: آپسی اختلافات کا دائرہ آپس ہی میں محدود رہنا چاہیے، اس کی وجہ سے دشمنوں کو کسی طرح کا موقع نہیں ملنا چاہیے، جیسا کہ جب عین جنگ کے شباب کے وقت قیصر روم (عیسائی بادشاہ) نے اسلامی سرحدوں پر لشکر کشی کا ارادہ کیا، سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی تو حضرت نے فوراً ہی اُسے مخاطب کرتے ہوئے وہ اِیمان افروز خط لکھا جو آج بھی اِسلام کی زریں تاریخ کا سنہرا باب ہے، خط کا مضمون یہ ہے:

’’مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اِسلامی سرحد پر لشکر کشی کرنا چاہتے ہو، یاد رکھو! اگر تم نے ایسا کیا تو میں اپنے ساتھی (حضرت علیؓ) سے صلح کرلوں گا، اور تمہیں تمہارے علاقے سے بھی نکال باہر کروں گا، اور روئے زمین کو اُس کی وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ کردوں گا‘‘[البداية والنهاية ۱۳/۸]۔

د: فروعی مسائل اور سیاسی انتظامات میں پیش آنے والے اِجتہادی اختلافات کا حکم الگ ہوتا ہے، اور مسلمہ اُصول وعقائد سے اِنحراف کا حکم الگ ہوتا ہے، کفر، بدعت اور ضلالت وغیرہ کی اصطلاحات اُصولی انحرافات کرنے والوں کے لیے استعمال کی جاتی ہیں، فروعی، سیاسی اور انتظامی مسائل میں اِختلاف کرنے والوں کے لیے نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ایک موقع پر سیدنا حضرت علیؓ نے اَصحابِ جمل کے بارے میں فرمایا کہ ہم اور وہ اُن لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں ہمارے ہی بارے میں ارشاد فرمائیں گے:

﴿وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَاناً عَلَى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ﴾

[الحجر: ۴۷، تفسیر ابن کثیر] (اور ہم نے ان کے دِلوں کے کھوٹ دور کردیئے، اَب وہ بھائی بھائی بن کر ایک دوسرے کے سامنے مسہریوں پر بیٹھے ہیں)۔

اہلِ صفین کے بارے میں فرمایا: ''**زعموا أنا بغينا عليهم، وزعمنا أنهم بغوا علينا**'' [تاریخ دمشق ۱/۳۴۳] (وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ زیادتی ہماری طرف سے ہے، ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ زیادتی اُن کی طرف سے ہے)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ سے دریافت کیا گیا: **ما تقول في قتلانا وقتلاهم؟ فقال: من قتل منا ومنهم يريد وجه الله والدار الآخرة دخل الجنة** [سنن سعید بن منصور ۲/ ۳۹۷] (آج کی جنگ میں ہمارے اور اُن کے مقتولین کا کیا ہوگا؟ فرمایا: دونوں جماعتوں میں سے جو اخلاص کے ساتھ، آخرت کے لیے لڑا ہوگا اور شہید ہوا ہوگا جنتی ہوگا)۔

اس کے برخلاف آپ نے ''خوارج'' سے جنگ کی بنیاد: اُن متواتر احادیث اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور پیشین گوئیوں کو قرار دیا تھا جن میں ایک ایسے فرقے کے وجود میں آنے کی خبر دی گئی تھی جو دین سے اس طرح نکل جائے گا جس طرح تیر شکار کے پار نکل جاتا ہے۔

ھ: حضرت امیر معاویہؓ کی جماعت اور فرقۂ خوارج کے مابین یہی وہ فرق بھی ہے جس کی بنا پر اُمت نے اول کے اختلاف کو اِجتہادی اختلاف، اور ''مشاجرہ'' سے تعبیر کیا ہے، اور ثانی کے اختلاف کو خروج، بغاوت اور شقاق وغیرہ الفاظ سے یاد کیا ہے، حضرت امیرؓ کے لشکر کو ''جماعت'' کہا جاتا ہے، اور خوارج کے لشکر کو ''فرقہ'' کہا جاتا ہے۔

یہی مطلب بھی ہے آیتِ پاک: ﴿**إن الذين فَرَّقُوا دِينَهم وكانوا شِيَعاً**﴾ [**الأنعام: ۱۵۹**] ...... کا، کہ تفریق بین المسلمین اور فرقہ بندی کا اِلزام اُن لوگوں پر عائد ہوگا جو فکر وعقیدے میں جمہور کی متوارث راہ سے اِنحراف کریں گے، ورنہ متوارث طریق پر جمے رہنا تو اِستقامت کہلاتا ہے، اِختلاف نہیں۔

و: حضرت امیر معاویہؓ اور اُن کے طائفے کو جماعتِ مسلمین میں داخل ماننا، اور خوارج کو اہلِ باطل میں سے شمار کرنا: اِس فرق کے لیے جمہور کے سامنے دو مشہور حدیثیں بھی ہیں:

(۱) پہلی حدیث: **تمرق مارقة عند فُرقة من المسلمين تقتلهم أولى الطائفتين بالحق** [مسلم ۱/۳۴۳، وبخاری ۲/۱۰۲۴] (مسلمانوں کے باہمی اختلاف کے وقت ایک فرقہ امت سے نکل جائے گا اور اُس کو امت کی وہ جماعت قتل کرے گی جو حق کے زیادہ قریب ہوگی)۔

اِس میں اہلِ حق کی دونوں جماعتوں پر ''طائفہ'' کا اِطلاق کیا گیا ہے، جب کہ خوارج کے لیے ''**مارقة**'' کا لفظ اِستعمال ہوا ہے، مارِقہ: اُس تیر کو کہتے ہیں جو شکار میں پیوست ہوکر دوسری جانب پار ہو جائے۔

معلوم ہوا کہ خوارج کا فرقہ: اُمت کے عام جادّہ اور شاہ راہ سے ہٹا ہوا تھا، اور صحابہ کا اِختلاف آپسی اختلاف تھا۔

(۲) دوسری حدیث میں ہے: ''**إن ابني هذا يُصلِح الله به بين طائفتين عظيمتين من المسلمين**'' [بخاری ۱/۳۷۳] (حضرت حسنؓ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میرے اِس بیٹے کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائیں گے)۔

معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں اہلِ حق میں سے ہی ہیں، اور دونوں کی جماعتیں مسلمانوں ہی کا طائفہ ہیں۔

بخاری [۳۶۰۹] ومسلم [۱۵۷] کی ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت اُس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک مسلمانوں کی دو ایسی عظیم جماعتوں کے درمیان آپس میں سخت قتال پیش نہ آجائے، جن دونوں کا دعویٰ ایک ہی ہوگا: ''**لا تقوم الساعة حتى يقتتل فئتان، فيكون بينهما مقتلة عظيمة، دعواهما واحدة**''.

ایک دِل چسپ نکتہ:

صحابۂ کرامؓ کے اِس آپسی اِختلاف کو مشاجرہ کیوں کہتے ہیں؟ اِس کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ ''مشاجرہ'' شجر سے ماخوذ ہے، جس طرح درخت کی شاخوں میں

تشعُّب (شاخ در شاخ کا سلسلہ) ہوتا ہے، کہ ان کی سب کی اصل اور جڑ ایک ہوتی ہے، اور اوپر جا کر وہ سب الگ الگ ہوجاتی ہیں، اور یہ چیز درخت کے لیے باعثِ حسن اور وجہِ کشش ہوتی ہے، نہ کہ سببِ بدنمائی۔ اِسی طرح صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سیاسی اختلافات بھی شجرۂ نبوت سے پھوٹنے والی زریں شاخوں کی طرح ''رحمت'' قرار دیئے گئے ہیں: ﴿أصلها ثابت وفرعها في السماء﴾[از ''مقامِ صحابہؓ''، حضرت مفتی شفیع صاحبؒ]

الفئة الباغية:

یہاں ایک مشہور حدیث کی وضاحت بھی ضروری ہے جو بخاری ومسلم وغیرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد سندوں سے مروی ہے کہ آپ نے سیدنا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اِرشاد فرمایا کہ انہیں ''الفئۃ الباغیۃ'' قتل کرے گی، بعض طرق میں یہ اِضافہ بھی ہے کہ ''یہ تو انہیں جنت کی طرف بلا رہے ہوں گے اور وہ انہیں جہنم کی طرف''۔

اس حدیث میں واضح اور صاف لفظوں میں اُس جماعت کو ''باغی جماعت'' کہا گیا ہے جس کے ہاتھوں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت پیش آئے گی، اِسی حدیث کی بنیاد پر جمہور اہل السنۃ والجماعۃ نے مشاجراتِ صحابہ میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کو راجح قرار دیا ہے، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اِجتہاد کو خطا پر محمول کیا ہے۔

(یہاں یہ واضح رہے کہ حضرتؓ کے اِس اجتہاد اور اِس خطا کی بحث، آپ کے اندر اِجتہادی شان تسلیم کرنے کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے، جیسا کہ ''صحیح بخاری'' [۳۷۶۵] میں آپ کے تفقہ اور اجتہاد کے بارے میں، حضرت ابن عباسؓ کا اِعتراف بھی موجود ہے، ورنہ ہر کس وناکس کے اِس طرح کے اختلاف کو ''اجتہاد'' پر نہیں محمول کیا جاتا، بلکہ ایسوں کے اِختلاف بلکہ اِنحراف کا مبنیٰ: عموماً کم علمی، بدفہمی اور خود پسندی وغیرہ بیماریاں ہوتی ہیں)۔

بہرحال! چوں کہ اہلِ حق کے ہاں دیگر اَحادیث کی بناء پر یہ بات طے شدہ ہے کہ مجتہد خاطی معذور ہوتا ہے، بلکہ ایک اجر کے ذریعے مأجور (مستحقِ اجر) بھی ہوتا ہے،

اِس لیے جب وہ طلبِ حق کی سعی، حسنِ نیت اور جذبۂ صالح کی بناء پر موردِ اَجر وثواب ٹھہر رہا ہے، تو اُس پر سب وشتم اور تنقید وتبصرہ کے کیا معنی؟ [مستفاد از: شرح النووی وفتح الباری]

''الباغية'' کی تشریح:

جہاں تک بات لفظِ ''الباغیۃ'' کی تشریح کی ہے تو اُس کے سلسلے میں چند نکات قابلِ توجہ ہیں:

ا:- یہاں لفظِ ''باغیۃ'' طاعتِ امام سے عدول اور شقاق ونفاق کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ یہ وہ ''بغاوت'' ہے جس کا تذکرہ قرآنِ کریم کی اِس آیت میں ہے:

﴿وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا، فَاِنْ بَغَتْ اِحْدَاهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوْا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْءَ اِلٰى اَمْرِ اللّٰهِ﴾ [الحجرات: ۹]

(اگر اہلِ ایمان کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو تم لوگ دونوں کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر کوئی ایک جماعت دوسری پر- شرعی لحاظ سے- زیادتی کرے تو اُس سے لڑو جو زیادتی کر رہی ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کو تسلیم کرلے)۔

یہ آیت انصار کے ایک آپسی مناقشے کے پس منظر میں نازل ہوئی تھی، امامِ زمانہ سے بغاوت کے تناظر میں نہیں، معلوم ہوا کہ لفظِ ''بغاوت'' کبھی آپسی تنازعات میں ناحق پر اِصرار کرنے والی جماعت کے لیے بھی اِستعمال کرلیا جاتا ہے۔

۲:- پھر سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی مذکورہ بالا حدیث پیش کی گئی تھی، اور غالباً حضرت کو اِس کا علم پہلے ہی سے تھا بھی، مگر آپ کے ذہن میں اِس کا مصداق وہ جماعت تھی جس نے ایک متفقہ امیر المؤمنین (سیدنا حضرت عثمانؓ) کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کرکے، اُن کو شہید کیا تھا، اور پھر (یہود وروافض پر مشتمل) اہلِ فتنہ کا یہی سازشی گروہ، یکے بعد دیگرے جنگِ جمل اور جنگِ صفین کا سبب بنا تھا، تو حضرت امیرؓ یہ سمجھ رہے تھے کہ اَصل ''باغی گروپ'' تو وہ ہے جو اِن حالات کا راست طور پر ذمہ دار ہے۔

اِسی لیے جب آپ کے سامنے یہ حدیث پیش کی گئی تو آپ نے اپنے علم اور گمان ہی کی بنیاد پر یہ بات فرمائی تھی کہ عمار کو ہم نے کہاں قتل کیا ہے؟ اُن کو تو ان لوگوں نے قتل کیا ہے جو اُن کو یہاں لے کر آئے ہیں۔[مسند احمد:۶۴۹۹]

البتہ بعد میں جمہور علماء نے حضرتؓ کے اِس اجتہاد کو دیگر دلائل کی روشنی میں مرجوح سمجھا، اور سیدنا حضرت علیؓ کے موقف کو راجح قرار دیا، جیسا کہ اِسی کی تائید مسلم شریف کی حدیث (۱/۳۴۳): ''**أولی الطائفتین بالحق**''(حق کے زیادہ قریب) کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے، کہ حضرت علیؓ کی جماعت کو حق کے زیادہ قریب قرار دیا جا رہا ہے، اور دوسری جماعت کو بھی باطل نہیں کہا جا رہا ہے۔

۳:- اور جہاں تک بات حدیث کے بعض طرق میں موجود اِس زیادتی کی ہے: ''**یدعوهم إلی الجنة، ویدعونه إلی النار** ''[بخاری:۴۴۷]، تو اس کے بارے میں دو باتیں قابلِ توجہ ہیں:

(ا) مولانا محمد نافع مدنی صاحبؒ کی تحقیق کے مطابق یہ زیادتی ایک دوسری حدیث سے یہاں خلط اور مدرَج ہوگئی ہے، دراَصل یہاں دو حدیثیں الگ الگ ہیں:

ا: مکہ مکرمہ میں کفارِ مکہ کے ظلم وستم کے زمانے میں کسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ پر رحم کھاتے ہوئے اُن کی حمایت میں فرمایا تھا:''**ما لهم ولعمار؟! یدعوهم إلی الجنة، ویدعونه إلی النار، وذاک دأب الأشقیاء الفجار**'' [**فضائل الصحابة لأحمد: ۱۵۹۸**]۔

۲: مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت، یا غزوۂ احزاب کے موقع پر خندق کھودتے ہوئے، سیدنا عمار بن یاسرؓ دو دو اینٹیں ایک ساتھ ڈھو رہے تھے، اُس وقت آپ نے فرمایا تھا:''**ویح عمار، تقتله الفئة الباغیة**''[مسلم:۲۹۱۵]۔

تو راویٔ حدیث حضرت عکرمہؒ سے اِن دونوں حدیثوں میں خلط ہوگیا، اور

اُنھوں نے دونوں کوایک ساتھ ملاکر بیان کر دیا، اِس دعوی کی تائید اِس سے بھی ہوتی ہے کہ ''تقتلک الفئة الباغیة '' والا مضمون تیں کے قریب صحابہؓ سے مروی ہے، مگرکسی بھی صحابی کی روایت میں یہ زیادتی نہیں پائی جاتی، بظاہر اسی لیے اِمام مسلمؒ نے بھی اِس کی تخریج نہیں فرمائی۔

(۲) اور اگر بعینہ یہ حدیث ثابت مان بھی لی جائے تو اس کے بارے میں شارحِ بخاری حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

المراد بالدعاء إلى الجنة: الدعاء إلى سببها، وهو طاعة الإمام، وكذلك كان عمار يدعوهم إلى طاعة علي، وهو الإمام الواجب الطاعة إذ ذاك، وكانوا هم يدعون إلى خلافِ ذلك، لكنهم معذورون للتأويل الذي ظهر لهم ......، وكانوا ظانين أنهم يدعون إلى الجنة، وهم مجتهدون، فلا لوم عليهم في اتباعِ ظنونهم [۱/ ۴۵۲].

(کہ یہاں ''جنت کی طرف دعوت'' دینے سے مراد: اُس کے سبب، یعنی طاعتِ امام کی طرف بلانا ہے، جیسا کہ حضرت عمارؓ اُن کو حضرت علیؓ کی طاعت کی طرف بلا رہے تھے، جو اُس وقت اصل خلیفۂ برحق اور اِمام واجب الطاعۃ تھے، جب کہ دوسری جانب کے حضرات اس کے خلاف کے داعی تھے، لیکن تاویل اور اجتہاد کی بناء پر وہ بھی معذور تھے ......، کیوں کہ اپنے اجتہاد سے وہ بھی یہی سمجھ رہے تھے کہ ہم ہی اِن کو جنت کی طرف بلا رہے ہیں، لہٰذا اِس ظن و اجتہاد کی وجہ سے اُن پر کوئی طعن و تشنیع نہیں کی جائے گی)۔

۴:- کسی بھی لفظ کا ترجمہ کرتے ہوئے، اور مراد و مفہوم متعین کرتے ہوئے یہ پہلو بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ وہ کس کے بارے میں کہا گیا ہے؟ اور کس نے کہا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے بعض انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں ''عصی'' اور ''غوی'' کے اَلفاظ کا اِطلاق کیا ہے، کہیں ''ضالا'' کا لفظ آیا ہے، تمام مفسرین و مترجمین ایسے مواقع پر

عصمتِ انبیاء کے لحاظ کے ساتھ ہی اس کی تفسیر و ترجمانی کرتے ہیں۔

اِسی طرح اگر حضراتِ صحابۂ کرامؓ کے بارے میں بھی کوئی ایسا سخت لفظ وارد ہو تو اُس کی ترجمانی ان کے شایانِ شان کی جائے گی، مثلاً حضرتِ عمارؓ جس طائفے کے ہاتھوں شہید ہوئے اُس میں بقول حافظ ابن حجرؒ: صحابہ کی ایک جماعت شامل تھی۔

اُنہی میں فاتحِ مصر حضرت عمرو بن العاصؓ جیسے جلیل القدر صحابی بھی تھے، جو فتحِ مکہ سے پہلے اِسلام لا چکے تھے، لہٰذا ﴿و کلاً وعد اللّٰہ الحسنی﴾ میں مذکور اول درجہ کے اِنعام کے مستحقین میں سے ہیں، پھر ترمذی (۳۸۴۴) وغیرہ میں ان کی منقبت میں بعض اَحادیث بھی وارِد ہوئی ہیں۔

اُن ہی میں حضرت امیر معاویہؓ جیسے صحابی بھی ہیں، جو کاتبینِ وحی میں سے ہیں، جو اِسلام کے اولین بحری بیڑے کے قافلہ سالار بن کر، خاص بشارتِ نبوی کے مستحق ٹھہر چکے تھے، جنھوں نے آئندہ قیصرِ روم کے پایۂ تخت شہر قسطنطنیہ پر حملے کے لیے پہلا اِسلامی لشکر تشکیل دے کر، ایک اور بشارتِ نبوی کا اِستحقاق بھی حاصل کیا۔ تو اگر خدانخواستہ از راہِ بشریت کچھ خطائیں تھیں بھی تو سب کی سب معاف ہو کر، معاملہ صاف ہو گیا۔

مشاجراتِ صحابہؓ اور جمہورِ اُمت کا موقف:

۱:- سیدنا حضرت علیؓ نے ایک شخص کو سنا کہ اہل جمل یا اہل صفین کے متعلق نامناسب کلام کر رہا ہے تو فرمایا:

لا تقولوا إلا خیراً، إنما هم قوم زعموا أنا بغینا علیهم، وزعمنا أنهم بغوا علینا، فقاتلناهم [منہاج السنۃ النبویۃ ۲۴۵/۵] (ان کے بارے میں بھلائی کے علاوہ کچھ نہ کہو، وہ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ زیادتی ہماری طرف سے ہے، اور ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ زیادتی اُن کی طرف سے ہے، اِس لیے ہم ان سے قتال کر رہے)۔

۲:- اِمام شافعیؒ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے نقل کرتے ہیں کہ مشاجراتِ صحابہ سے

متعلق آپ سے کچھ دریافت کیا گیا، آپ نے فرمایا: **تلک دماءٌ طهر اللّٰه منها سيوفنا، فلا نخضب لها ألسنتنا.** [معجم الشيوخ للذهبی ۱۸۶/۲، وفتح المغيث للسخاوی ۱۰۱/۴]

(جب اللہ نے ہماری تلواروں کو اُن کے خون کی ذمہ داری سے محفوظ رکھا، تو ہم اپنی زبان کو اس سے کیوں آلودہ کریں؟)۔

۳:- اِمام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنے عقائد کے مجموعہ ''الفقہ الاکبر'' ص۴۳ میں یہ بات ذکر فرمائی ہے کہ ''ہم لوگ کسی بھی صحابی کا تذکرہ نہیں کرتے مگر خیر کے ساتھ''۔

۴:- اِمام احمدؒ سے سؤال کیا گیا، آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿**تلک أمة قد خلت، لها ما كسبت ولكم ما كسبتم، فلا تسألون عما كانوا يعملون**﴾ [البقرة: ۱۳۴]

(وہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی، اُس نے جو کچھ کیا اُس کا معاملہ ہے، تم کو وہ ملے گا جو تم کر رہے ہو، اُن کے بارے میں تم سے کچھ نہ پوچھا جائے گا)۔

۵:- اِمام ابوزرعہ رازیؒ کے سامنے کسی نے کہا کہ میں حضرت معاویہؓ سے بغض رکھتا ہوں، دریافت فرمایا: کیوں؟ کہنے لگا: اِس لیے کہ انھوں نے حضرت علیؓ سے جنگ کی تھی۔ فرمایا:

ويحک! إنَّ رب معاوية ربٌّ رحيم، وخَصْم معاويةؓ خصمٌ كريمٌ، فأيش دخولک أنت بينهما؟ رضي الله عنهما۔ [البداية والنهاية البداية والنهاية ۴۲۷/۱۱]

(تیرا ناس ہو! معاویہ کا رب ایک رحیم آقا ہے، اُن کا فریق ایک شریف فریق ہے، تو ایسے معاملے میں تیرے جیسوں کا کیا کام؟ - چل یہاں سے، ہم تو یہ دعا کرتے ہیں کہ- اللہ اُن دونوں سے راضی ہو)۔

۶:- اِسی لیے اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کی اہم کتابوں میں یہ عقیدہ بھی بطور خاص بیان کیا جاتا ہے:

نترحم عليهم، ونذكر فضلهم، ونكف عن زللهم، ولا نذكر أحداً منهم إلا بالخير. [الفقه الأكبر ص ۴۳، العقيدة الطحاوية ص ۸۱، طبقات الحنابلة ۲۱/۲].

(ہم تمام صحابہ کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں، ان کے فضائل ومناقب بیان کرتے ہیں، ان کی زلات ولغزشات سے صرفِ نظر اور کفِ لسان کرتے ہیں، اور ان میں سے کسی کا بھی تذکرہ خیر کے بغیر نہیں کرتے)۔

۶:- علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں: **یجب تعظیم الصحابة، والکفّ عن مطاعنهم، وحمل ما یوجب بظاهره الطعن فیهم علی محامل والتأویلات.**

[مقدمة الإصابة ۱/۲۵]

(صحابہ کی تعظیم کرنا، اُن پر طعن سے احتراز کرنا، اور اُن کی لغزشوں کی تاویل کرنا، یا مناسب محمل پر محمول کرنا: واجب ہے)۔

۸:- حافظ ابن حجرؒ "فتح الباری" (**کتاب الفتن، باب إذا التقی المسلمان بسیفیهما**) کے تحت فرماتے ہیں:

اتفق أهل السنة علی وجوب منع الطعن علی أحد من الصحابة بسبب ما وقع لهم من ذلک؛ ولو عَرَف المُحِقَّ منهم، لأنهم لم یقاتلوا في تلک الحروب إلا عن اجتهاد، وقد عفا اللّٰه تعالیٰ عن المخطئ في الاجتهاد، بل ثبت أنه یؤجر أجراً واحداً، وأن المصیب یؤجر أجرین ...... إلخ.

(کسی بھی صحابی پر طعن وتشنیع کے ممنوع ہونے پر اہل السنۃ کا اتفاق ہے؛ صحابہؓ کے آپسی مناقشات کے سلسلے میں بھی، حتی کہ کسی کا حق پر ہونا سمجھ میں آجائے جب بھی دوسرے پر تبصرہ جائز نہیں، اِس لیے کہ ان حضرات کے مشاجرات اجتہاد کی بنیاد پر تھے، اور اِجتہاد میں غلطی کرنے والے کو تو اللہ تعالیٰ ہی معاف فرما چکے ہیں! بلکہ حدیث میں تو مخطئ کے لیے ایک اَجر، اور مصیب کے لیے دوہرے اجر کی بھی بات ثابت ہے)۔

۹:- علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں: حتی الامکان "مشاجراتِ صحابہؓ" کے قصے میں پڑو ہی مت، اگر پڑنا ہی ہے تو (صحابہؓ کی طرف سے حسن ظن رکھتے ہوئے) مناسب توجیہ وتاویل کے ساتھ تذکرہ کرو، کسی بھی صحابی کی تنقیص مت کرو، اِس لیے کہ اِس موضوع کا

تصفیہ کوئی عقیدے کا حصہ نہیں ہے، اور نہ ہی علمِ کلام کا موضوع ہے، اِس موضوع کو چھیڑنا کسی دینی اور علمی نفع کے بجائے، اکثر اِیمان ویقین کے لیے مضر ہی ہوتا ہے، اِس لیے اگرضرورت پڑے تو صرف متعصب افراد پر ردّ کی حد تک، یا تدریسی ضرورت کے تحت گفتگو کی جاسکتی ہے، ورنہ نہیں۔

اورعوام کے لیے تو اِس موضوع میں پڑنا بالکل جائز نہیں، اِس لیے کہ ناواقف ہوتے ہیں، اورتاویلات وغیرہ سمجھتے نہیں۔[مقدمة التحقيق للإصابة ۱/ ۲۵]

۱۰:- امام المؤرخین والمحدثین، فخر المتأخرین، علامہ شمس الدین الذہبیؒ اپنی بےنظیر کتاب ''سیر اَعلام النبلاء'' ۱۰/ ۹۲ میں فرماتے ہیں:

...... تقرر الكف عن كثير مما شجر بين الصحابة وقتالهم، رضي الله عنهم أجمعين، وما زال يمر بنا ذلك في الدواوين، والكتب، والأجزاء، ولكن أكثر ذلك منقطع، وضعيف، وبعضه كذب، وهذا فيما بين أيدينا وبين علمائنا، فينبغي طيّه وإخفاؤه، بل إعدامه، لتصفو القلوب، وتتوفر على حب الصحابة والترضي عنهم.

وكتمان ذلك متعين عن العامة، وآحاد العلماء، وقد يرخص في مطالعة ذلك خلوةً للعالم المنصف، العري من الهوى، بشرط أن يستغفر لهم، كما علمنا الله تعالىٰ: ﴿والذين جاؤوا من بعدهم يقولون: ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذين سبقونا بالإيمان، ولا تجعل في قلوبنا غلاً للذين آمنوا﴾ [الحشر: ١٠].

فالقوم لهم سوابق، وأعمال مكفرة لما وقع منهم، وجهاد محاء، وعبادة ممحصة، ولسنا ممن يغلو في أحد منهم، ولا ندعي فيهم العصمة، نقطع أن بعضهم أفضل من بعض، ......، ثم ذكرهم بمراتبهم ......، ثم قال:

فأما ما تنقله الرافضة، وأهل البدع في كتبهم من ذلك،

فلانعرج عليه، ولا كرامة، فأكثره باطل، وكذب، وافتراء، فدأب الروافض رواية الأباطيل، أو ردّ ما في الصحاح والمسانيد، ومتى إفاقة من به سكران؟!(رضي الله تعالى عنهم أجمعين).

(صحابہؓ کے آپس کے اختلافات اور قتال سے سکوت رکھنے کا مسئلہ طے شدہ ہے، ہماری نظروں سے اِس موضوع سے متعلق روایات روزانہ تاریخ وغیرہ کی کتابوں اور رسالوں میں گذرا کرتی ہیں، مگر زیادہ تر منقطع اور ضعیف ہوتی ہیں، بلکہ موضوع تک، یہ کتابیں ہمارے سامنے بھی ہیں، دیگر علماء کے سامنے بھی ہیں - جو چاہے اٹھا کر دیکھ لے -، اِس لیے مناسب یہی ہے کہ یہ موضوع بند کرکے، اور لپیٹ کر ہی رکھا جائے، بلکہ اس کو اپنی گفتگو سے خارج ہی کر دیا جائے، تاکہ قلوب میں صفائی رہے، اور صحابہ سے محبت اور رضا کا جذبہ موج زن رہے۔

اور عوام سے، اِسی طرح عام مولویوں سے تو اِس طرح کے موضوعات کا اِخفاء متعین ہی ہے، صرف اُس عالم کے لیے رخصت ہے جو اِنصاف پسند ہو، نفسانی جذبات سے بالاتر ہو، وہ بھی تنہائی میں مطالعہ کرے، اور آخر میں تمام صحابہ کے لیے اِستغفار کا اہتمام کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھایا ہے، کہ اُن کے بعد والے آ کر ان صحابہ کے بارے میں یہ کہا کریں گے: اے ہمارے رب! مغفرت فرما دیجیے ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گذر چکے، اور نہ رکھیے ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کھوٹ۔

اصل بات یہ ہے کہ صحابہ کی جماعت ایسی ہے کہ ان کے بہت سے کارنامے، اور بہت سے ایسے اعمال ہیں جو خود ہی سارے گناہوں کا کفارہ ہیں، جہاد ایسا کہ ساری غلطیوں کو دھودے، عبادت ایسی کہ سارے گناہوں کو مٹا دے۔

ہم کوئی غلو کرنے والوں میں سے نہیں ہیں، صحابہ کو معصوم نہیں سمجھتے، پھر سب کو ایک ہی مرتبہ کا نہیں کہتے، اُن میں فرقِ مراتب کا اعتقاد رکھتے ہیں......، پھر ذہبیؒ نے اُن

کے مراتب ذکر فرمائے، اور آخر میں فرمایا:

اور یہ سب جو روافض اور اہلِ بدعت صحابہ سے متعلق اپنی کتابوں میں لکھتے پڑھتے ہیں اُن کا کوئی اعتبار نہیں، فضول باتیں ہیں، اکثر باطل، جھوٹ اور من گھڑت ہیں، روافض کا شیوہ ہی ہے باطل خبروں کا روایت کرنا، اور مستند صحاح ومسانید کی روایتوں کو رد کر دینا، مگر جس کو جنون ہو اُس سے توقع ہی کیا قائم کی جائے؟!!......،......)۔

سبّ وشتمِ صحابہؓ کا شرعی حکم:

سبّ اور شتم: یہ دونوں عربی الفاظ ہیں، جن کے معنی ہیں: نقد وتبصرہ، اور براتذکرہ۔
اِس لیے اِن الفاظ کو بازاری قسم کی گالم گفتار کے لیے خاص سمجھنا درست نہیں،
علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں: ''إن الوصفَ لهم بغير العدالة سبٌّ'' [فتح المغیث ۹۶/۴]
(اُن کی طرف خلافِ عدالت کوئی بھی بات منسوب کرنا: ''سبّ'' کے تحت آتا ہے)۔

پھر یہاں ایک بات اور سمجھنے کی ہے، وہ یہ کہ ایک چیز ہے غیبت، دوسری چیز ہے بہتان، صحیح احادیث میں یہ وضاحت وارِد ہوئی ہے کہ کسی مسلمان کے اندر یقینی طور پر موجود عیب کو بلاضرورتِ شرعیہ بیان کرنا غیبت کہلاتا ہے، جس کا حکم سبھی کو معلوم ہے، جب کہ غلط طور پر اُس کی طرف کسی برائی کے اِنتساب کو بہتان کہتے ہیں، جو غیبت سے بھی بدتر چیز ہے۔ تو صحابہ سے متعلق: کسی بھی قسم کا منفی اِظہارِ رائے، کم اَز کم غیبت کے زمرے میں تو بہرحال آتا ہے۔

نیز جس طرح اپنے نسبی باپ دادا کی خطاؤں اور لغزشوں کو جانتے بوجھتے بھی چھپایا اور نظر انداز کیا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم بھی ہے: ﴿ولا تقل لهما أفّ ولا تنهرهما، وقل لهما قولاً كريماً﴾ [الإسراء: ۲۳] (اُن کو اُف تک نہ کہو، اُن کو جھڑکو بھی مت، بلکہ اُن سے -تمیز اور- نرمی سے بات کیا کرو)۔

اِس سے کہیں زیادہ اپنے روحانی، ایمانی، علمی اور عملی آباء واجداد کی پردہ پوشی،

اِغماض اور ادب واحترام اور محبت وتعظیم کی ضرورت ہے۔

۱:-صحابہؓ کی تعریف کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿**لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ**﴾[الفتح:۲۹] (تاکہ دِل جلائے اُن کے ذریعے کافروں کا)۔

اِمام مالکؒ فرماتے ہیں: جس کے دِل میں کسی بھی صحابی کی طرف سے کچھ بھی غیظ اور کھوٹ ہوگا، وہ اِس آیت کا مصداق ہے۔ یعنی اُس کے اندر کفر کی بو پائی جاتی ہے، اِسی وجہ سے وہ صحابہ سے جلتا ہے۔

مفسر قرطبیؒ امام مالک کے قول کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **لقد أحسن مالک في مقالته، وأصاب في تأويله، فمن نقص واحداً منهم، أو طعن عليه في روايته فقد ردَّ على الله رب العالمين، وأبطل شرائع المسلمين** ......۔

اس کے بعد امام قرطبی نے سبِّ صحابہ کی ممانعت میں بہت سی آیات واَحادیث بھی پیش کیں، اور اِس بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک کو پوری وضاحت کے ساتھ محقق فرمادیا ہے۔[تفسیر قرطبی ۱۶/۲۹۷]

۲:-مختلف اَحادیث میں ''سبِّ صحابہ'' (صحابہ پر تنقید وتبصرے) کی ممانعت وارِد ہوئی ہے:

ایک حدیث شریف ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: **الله الله في أصحابي، لا تتخذوهم غرضاً من بعدي، فمن أحبهم فبحبي أحبهم، ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذاني، ومن آذاني فقد آذى الله، ومن آذى الله فيوشک أن يأخذه**[ترمذی: ۳۸۶۲].

(اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے بارے میں، میرے بعد اُن کو اپنی تنقید کا نشانہ مت بنانے لگنا، جو اُن سے محبت کرتا ہے تو وہ میری نسبت ہی کا خیال کرکے کرتا ہے، اور جو اُن سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے ہی بغض کا نتیجہ ہے، جو اُنھیں اِیذاء پہنچائے اس نے گویا مجھے تکلیف پہنچائی، اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی تو اس نے یقیناً

اللہ کو ناراض کیا، اور جس نے اللہ کو ناراض کیا تو قریب ہے کہ اللہ اس کی پکڑ فرمالیں)۔

ایک اور حدیثِ صحیح میں سبِّ صحابہ سے ممانعت وارِد ہوئی ہے، آپ نے حضرت خالد بن الولیدؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا: **لا تسبوا أصحابي** . [بخاری:۳۶۷۳، ومسلم:۲۵۴۰]

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں: کہ اِس حدیث میں جب ایک صحابی کو دوسرے صحابی کو کچھ کہنے سے منع کیا جارہا ہے، تو غیر صحابی کے لیے تو یہ ممانعت بدرجۂ اَولیٰ ہوگی، اِس لیے کہ قاعدہ ہے کہ ایسے مواقع پر عمومِ لفظ کا اِعتبار کیا جاتا ہے، خصوصِ مورِد کا نہیں، یہی اکثر کی رائے ہے، اور اِسی کو قاضی عیاضؒ نے بھی درست قرار دیا ہے (فتح المغیث ۴/۸۶،۹۶)

۳:- جب کسی عام مسلمان کا ''سِباب'' فسق ہے، تو صحابۂ کرامؓ کا ''سباب'' تو انتہائی خطرناک درجے تک پہنچتا ہے، اِسی لیے اِمام احمدؒ فرماتے ہیں:

إذا رأيت رجلًا يذكر أحداً من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم بسوءٍ فاتَّهِمه على الإسلام. [تاريخ دمشق ۵۹/۲۰۹]

(کہ جب کسی کو دیکھو کہ کسی صحابی پر تنقید کررہا ہے تو سمجھ لو کہ اس کا دین مشکوک ہے)۔

۴:- **سئل أحمد عن رجل انتقص معاوية وعمرو بن العاص، أيقال له: رافضي؟ قال: إنه لم يجترئ عليهما إلا وله خبيئة سوء، ما يبغض أحدٌ أحداً من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا وله داخلة سوء** [۵۹/۲۱۰].

(امام احمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ کوئی شخص حضرت معاویہؓ یا عمرو بن العاصؓ کی تنقیص کرتا ہے کیا اُس کو رافضی کہا جائے گا؟ فرمایا: ان کی تنقیص کی جرأت وہی شخص کرسکتا ہے جو بد باطن ہو، کوئی بھی کسی بھی صحابیِ رسول سے اگر بغض رکھتا ہے تو یہ اُس کے بد باطن ہونے کی علامت ہے)۔

۵:- بلکہ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کی سب سے مستند ترین کتاب ''العقیدۃ

الطحاویۃ‘‘(ص۸۰-۸۱) میں یہ اِضافہ بھی ہے:

ونُحبّ أصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم، ولا نُفرِّط في حب أحد منهم، ولا نتبرأ من أحد منهم، ونُبغض من یبغضهم وبغیر الخیر یذکرهم، ولا نذکرهم إلا بخیر، وحُبهم دین وإیمان وإحسان، وبغضهم کفر ونفاق وطغیان.

(ہم تمام صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، کسی کی محبت میں بھی کمی نہیں کرتے، نہ کسی سے اِظہارِ براءت کرتے ہیں، ہاں جواُن سے بغض رکھتا ہے یا خیر کے علاوہ کے ساتھ اُن کا ذکر کرتا ہے، تو ہم اُس سے بغض رکھتے ہیں، ہم صحابہ کا تذکرہ خیر ہی کے ساتھ کرتے ہیں، ان کی محبت: دِین، اِیمان، اور اِحسان کی علامت ہے، اور ان سے بغض رکھنا موجبِ کفر، اور نفاق اور سرکشی کی علامت ہے)۔

اِسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہلِ باطل سے بغض رکھنا دین میں مطلوب ہے، نہ کہ تجدد پسندوں کی طرح کہ حق و باطل میں بھی خلط، اور اور اہلِ حق اور اہلِ باطل میں بھی خلط!!

۶-: اِمام نووی‌ؒ ’’شرح مسلم‘‘ (بابِ تحریم سبِّ الصحابۃ) میں فرماتے ہیں:

واعلم أن سبَّ الصحابة رضي اللّٰہ عنهم حرام من فواحش المحرمات؛ سواء من لابَسَ الفتن منهم وغیرُہ، لأنهم مجتهدون في تلک الحروب متأولون ......، قال القاضي: وسبُّ أحدهم من المعاصي الکبائر، ومذهبنا ومذهب الجمهور: أنه یُعزَّر، وقال بعض المالکیة: یُقتل.

(جان لو کہ صحابہؓ کو برا بھلا کہنا حرام ہے، سخت ترین محرَّمات میں سے ہے، خواہ وہ صحابی فتنے کے حالات سے دوچار ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں، سب کا حکم ایک ہی ہے، اِس لیے کہ اُن اختلافات میں سب ہی کا مبنیٰ اِجتہاد اور تاویل تھا، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: کہ سبِّ صحابہؓ کبیرہ گناہوں میں سے ہے، ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اِس کے مرتکب کو سزا تو دی جائے گی، مگر قتل نہیں کیا جائے گا، جب کہ بعض مالکیہ فرماتے

ہیں کہ سزاء کے طور پر قتل کر دیا جائے گا)۔

۶:- قاضی ابو یعلی حنبلیؒ "طبقاتِ حنابلہ" ۲/ ۳۷ میں فرماتے ہیں: **واعلم أنه من تناول أحداً من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فاعلَم أنه أراد محمداً صلى الله عليه وسلم وقد آذاه في قبره.**

(جو شخص کسی صحابیٔ رسول کو نشانۂ ملامت بنا رہا ہے تو یقین کر لو کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو کچھ کہنا چاہتا ہے، اور قبر شریف میں آپ ہی کی ذات پاک کو تکلیف پہنچا رہا ہے۔

۷:- "تاریخ دمشق" ۱/ ۱۷۵ میں حافظ ابن عساکرؒ، اِمام نسائیؒ سے نقل کرتے ہیں:

سئل عن معاوية بن أبي سفيان صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إنما الإسلام كدارٍ لها باب، فباب الإسلام الصحابة، فمن آذى الصحابة إنما أراد الإسلام، كمن نقر الباب إنما يريد دخول الباب، فمن أراد معاوية فإنما أراد الصحابة.

(اِمام نسائی سے حضرت معاویہؓ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ اسلام کی مثال اس گھر کی سی ہے جس کا ایک دروازہ ہو، تو اسلام کا دروازہ صحابہ ہیں، جو شخص صحابہ کو تکلیف پہنچائے گویا وہ اِسلام پر حملہ کرنا چاہتا ہے، جیسے کوئی شخص دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے تو گویا وہ گھر کے اندر ہی داخل ہونا چاہتا ہے، لہٰذا جو معاویہ کو نشانۂ تنقید بنا رہا ہے تو اُس کا اصل نشانہ صحابہ ہی ہیں)۔

۸:- اِمام وکیعؒ سے نقل کیا جاتا ہے، فرماتے ہیں: کہ جس طرح دروازے کا کنڈا ہلانے سے پورے دروازے میں حرکت ہوتی ہے، اِسی طرح حضرت امیر معاویہؓ پر کوئی تبصرہ کرنے سے پوری جماعتِ صحابہ پر زد پڑتی ہے۔ [تاریخ دمشق لابن عساکر ۵۹/ ۲۱۰]

۹:- مشہور محدث خطیبِ بغدادیؒ "الکفایۃ" ص ۴۹ میں اِمام ابو زرعہ رازیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

إذا رأيت الرجل ينتقص أحداً من أصحاب رسول الله صلى الله

علیه وسلم فاعلم أنه زنديق، وذلک أن الرسول صلی اللّٰه علیه وسلم عندنا حق، والقرآن حق، وإنما أدی إلینا هذا القرآن والسنن أصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، وإنما یریدون أن یجرحوا شهودنا لیُبطِلوا الکتاب والسنة، والجرح بهم أولی، وهم زنادقة.

(جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ کسی صحابی کی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ بد دین شخص ہے، اِس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے، آپ کا لایا ہوا قرآن برحق، اور آپ کے لائے ہوئے دین اور کتاب وسنت کو ہم تک پہنچانے والے یہی صحابہ ہیں، تو یہ بد دین لوگ ہمارے اِن واسطوں اور گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں، حالاں کہ یہ خود ہی مجروح اور زندیق لوگ ہیں)۔

صحابہؓ پر اگر شک ہے تو اپنے ہاتھ میں صوفیؔ
نمازیں ہیں، دعائیں ہیں، اذانیں ہیں، نہ تکبیریں

۱۰:- قاضی ابو یعلی حنبلیؒ ''طبقات الحنابلہ'' ۲/۲۱ میں حضرت سفیان بن عیینہؒ کا مقولہ نقل کرتے ہیں: **من نطق في أصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بکلمةٍ فهو صاحب هوی** (جو صحابہ کی شان میں گستاخی کا ایک جملہ بھی بولے سمجھ لو کہ بدعتی ہے)۔

اِسی طرح کی شرعی نصوص، حدیثی روایات اور ائمۂ اِسلام کے اقوال کی بنیاد پر تمام سلف وخلف نے ہر ہر صحابی کے ادب واحترام اور تعظیم وتکریم کو لازم قرار دیا ہے، عدالتِ صحابہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے حافظ ابن الصلاح، نووی، ابن کثیر، عراقی، ابن حجر، سخاوی، سیوطی اور ان کے علاوہ بہت سارے فقہاء، محدثین اور اصولیین رحمہم اللہ نے اپنے اپنے انداز میں مختصراً یا مفصلاً یہ بات بطور خاص ذکر کی ہے کہ:

إن الأمة مجمعة علی تعدیل جمیع الصحابة، حیث نص اللّٰه ورسوله علی عدالتهم، فهل بعد تعدیل اللّٰه عزّ وجلّ ورسولِه صلی اللّٰه علیه وسلم تعدیل؟ فالصحابة کلهم عدول، ومَن لابسَ الفتنَ منهم فذلک

بإجماع العلماء الذين يعتدّ بهم في الإجماع، إحساناً للظن بهم، ونظراً لِما تَمهَّد لهم من المآثر، وحملاً لهم في ذلک علی الاجتهاد، فتلک أمور مبناها علیه، وکلُّ مجتهد مصیب، أو المصیب واحد، والمخطئ معذور، بل مأجور.

(چوں کہ اللہ ورسول نے صحابہؓ کی تعدیل فرمادی ہے اِس لیے تمام صحابہ کی عدالت پر امت کا اِجماع ہے، اِس لیے کہ اللہ ورسول کی تعدیل کے بعد کسی اور کی تعدیل کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی، لہٰذا تمام صحابہ (خواہ اُن کا اِختلاف اور مشاجرے سے تعلق ہو، یا نہ ہو، سب) کی عدالت پر اُمت کے اُن تمام طبقات کا اِجماع ہے، جن کا اِجماع کی بحث میں اعتبار کیا جاتا ہے، صحابہ سے حسنِ ظن کی بنا پر، اور غزوات وفتوحات اور اقامتِ دین کے سلسلے میں ان کے بے نظیر کارناموں کی بنا پر، اور ان سے جو غلطیاں ہوئیں اُن کا مبنیٰ اجتہاد تھا، اور مجتہد کے بارے میں قاعدہ ہے کہ......وہ خطا کی صورت میں معذور ہوتا ہے، بلکہ ایک اجر کا بھی مستحق ہوتا ہے)۔

کیا صحابہؓ ہماری تعدیل وتوصیف کے محتاج ہیں؟

حافظ ابن حجرؒ نے ''الاصابۃ'' کے مقدمۃ میں کبارِ ائمہ سے صحابہ کی توصیفات اور مدحیہ اقوال نقل کرنے سے پہلے جو تمہید قائم کی ہے وہ قابلِ توجہ ہے، فرماتے ہیں:

''صحابہ کی یہ مدح وتوصیف صرف اِستیناس کے لیے ہے، ورنہ اللہ ورسول کی تعدیل کے بعد اُن کو کسی اور کی تعدیل اور مدح وثنا کی ضرورت نہیں ہے''۔

اِس کے بالمقابل حضرت امیر معاویہؓ کو (بزعمِ خود) عدالت وثقاہت کی سند دینے والی ایک معاصر تحریر بھی ملاحظہ فرمایئے:

''حضرت امیر معاویہؓ میں بہت سی ایسی خوبیاں تھیں جس سے اُن کی اِسلام اور مسلمانوں سے محبت کا پتہ چلتا ہے، اور یہ کہ وہ دِینی ڈھانچے کو برقرار رکھنا چاہتے تھے، اور اُس کا دفاع کرتے تھے، ان کی دور بینی اور انتظامی امور میں حکمت کے علاوہ؛ ان کے اندر دین کی حمیت اور اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کو، اگر ضرورت پڑے، تو ترجیح دینے کا جذبہ بھی تھا''۔

یہ مدح ہے؛ یا ذم مشابہ بالمدح؟ اِس کا فیصلہ آپ خود کیجیے!!

صحابہ جو ''معیارِ حق'' ہیں اُن کی سیرت سے خود کا موازنہ کرنے کے بجائے، نعوذ باللہ ہم خود ہی اللہ ورسول کی صف میں بیٹھ کر، اُن کی اِس منتخب کردہ جماعت کے افراد کے تقوی وعدالت کا مرتبہ متعین کرنے کی کوشش کرنے لگ جائیں؛ اِس سے بڑا ظلم کیا ہوسکتا ہے؟!

غلط فہمی کا اِزالہ:

دراَصل ایسے لوگوں کو غلط فہمی یہاں سے ہوتی ہے کہ وہ ''تقوی وعدم تقوی'' کے سلسلہ میں کتاب وسنت کے عام اُصول کو، تاریخی روایات کی روشنی میں صحابۂ کرامؓ پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالاں کہ:

۱:- صحابۂ کرامؓ کی عدالت اور تقوی وطہارت خود کتاب وسنت ہی کی نصوص اور قطعی دلائل سے ثابت اور طے شدہ ہے، جب کہ تاریخی روایات بہر حال اس درجہ معتبر اور قابلِ اعتماد نہیں ہوسکتیں۔

۲:- جیسے بعض قرآنی آیات اور شرعی نصوص متشابہات میں سے قرار دی گئی ہیں، اِسی طرح بعض تکوینی نظام بھی متشابہات ہی کا حصہ ہوتے ہیں، جو نری عقل، اور ظاہری تحقیق ومطالعہ کے دائرے میں نہیں آسکتے، ایسے اُمور کو''اللہ کے حوالے کردینے'' (اور **اللّٰہ أعلم** کہہ دینے) کا حکم ہے۔ اور جو لوگ نا اَہلی کے باوجود ایسے موضوعات کے درپئے ہوتے ہیں قرآنِ کریم نے اُن کے قلوب میں ''زیغ'' (کھوٹ) ہونے کی خبر دی ہے، اور اُن کو فتنہ پسند یا فتنہ پرور قرار دیا ہے: ﴿فأما الذين في قلوبهم زيغ فيتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنه، وما يعلم تأويله إلا الله، والراسخون في العلم يقولون آمنا به، كل من عند ربنا﴾.

۳:- یہ اَفراد اور طبقات ایک غلط، بلکہ باطل اُصول پر چلتے ہیں، وہ یہ کہ ان کے نزدیک ''تنقید سے بالاتر کوئی نہیں''۔ کچھ لوگ کہتے ہیں: ''جب ایسا ہے تو کہا جائے گا''، کچھ لوگ اِس کو ''آزادئ اِظہارِ رائے'' کا حصہ مانتے ہیں۔

حالاں کہ اہلِ حق کے نزدیک یہ سب اُصول اہل باطل کے ہیں، جن کو موجودہ

''ہیومنزم'' (انسانیت/ جدت پسندی/ نیچریت) سے مزید کمک مل گئی ہے، یہ باطل اُصول (اجتہادی غلطی کا حصہ نہیں، بلکہ) کھلی ہوئی گمراہی اور جادۂ حق سے اِنحراف کے دائرے میں آتے ہیں، جس میں شعائر اللہ کی بے حرمتی ہوتی ہے، جس میں غیبت، بہتان اور الزام تراشی پائی جاتی ہے، جس میں بڑوں اور بزرگوں کی بے ادبی اور بے اِحترامی لازم آتی ہے، اپنی شرعی اور عرفی حدود سے تجاوز پایا جاتا ہے۔

اہلِ حق کے نزدیک ''شعائر اللّٰہ'' کی تعظیم واجباتِ دین میں سے ہے، اور صحابۂ کرامؓ: شعائرِ دین کا اہم ترین حصہ اور اللہ و رسول کے بعد، سب سے مقدس ترین افراد ہیں۔

اہلِ حق کے نزدیک یہ اُصول تو ضرور ہے کہ اللہ کے رسولوں اور پیغمبروں کے علاوہ کوئی ایسا بشر نہیں ہے، جس کی کسی بات سے شرعی اُصول کی روشنی میں اِختلاف کرنے کی گنجائش نہ ہو، اور جس سے خطا اور لغزش کا اِمکان نہ ہو، مگر اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہرکس وناکس کو علمی، فکری اور دینی مسائل میں دخل دے کر ''اِظہارِ رائے'' کی آزادی دے دی جائے، یا کسی فروعی اور جزوی غلطی کی وجہ سے، اکابر اُمت اور ائمۂ دین کی شان میں بدتمیزی اور گستاخی جائز کر دی جائے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ اور جمہورِ امت کے نزدیک طے شدہ اُصولوں کو تسلیم کرنا، پھر ان کو حالات وافراد پر منطبق کرنا، یہ اہلِ حق کا طریقہ ہے، مطلوبہ صلاحیت (اخلاص، تقویٰ اور علم وفہم) کے ہوتے ہوئے، اس کوشش میں اِتفاقی غلطی کا پیش آ جانا ''اجتہادی خطا'' کہلاتا ہے۔

اس کے برعکس جمہورِ امت کے نزدیک مسلمہ اصولوں کو ہی تسلیم نہ کرنا، اور اپنی عقل، یا کسی اور قوم کے افکار کے زیرِ اثر دین میں رائے دینا، یہ تحریف اور دینی اِنحراف کہلاتا ہے۔

اور اگر یہ مرعوبیت جدید مغربی افکار اور سائنسی اصولوں سے پائی جائے تو یہی ''جدیدیت''، یا ''جدت پسندی'' کہلاتی ہے۔

خلاصہ:

امید کہ بتوفیقہ تعالیٰ وعونہ مذکورہ بالا تفصیلات اور معروضات سے ''حرمتِ صحابہؓ'' اور اُس کی اہمیت کا مضمون ''حقائق اور دلائل کی روشنی میں'' اچھی طرح واضح ہو گیا ہو گا، گذشتہ سطور میں جو کچھ عرض کیا گیا اُس کا خلاصہ شارحِ صحیح مسلم، اِمام نوویؒ کے الفاظ میں یہ ہے (باب فضائل الصحابہ):

''قال الإمام أبو عبد اللّٰه المازري: اختلف الناس في تفضيل بعض الصحابة على بعض، فقالت طائفة: لا نفاضل، بل نمسک عن ذلک، وقال الجمهور بالتفضيل.

ثم اختلفوا: فقال أهل السنة: أفضلهم أبو بكر الصديق ، قال أبو منصور البغدادي: أصحابنا مجمعون على أن أفضلهم الخلفاء الأربعة على الترتيب المذكور، ثم تمام العشرة، ثم أهل بدر، ثم أحد، ثم بيعة الرضوان، وممن له مزية: أهل العقبتين من الأنصار، وكذلک السابقون الأولون، وهم من صلى إلى القبلتين، أو أهل بيعة الرضوان، أو أهل بدر.

وأما عثمان رضي اللّٰه عنه فخلافته صحيح بالاجماع، وقتِل مظلوماً، وقتلتُه فسقة، لأن موجبات القتل مضبوطة، ولم يجرِ منه رضي اللّٰه عنه ما يقتضيه، ولم يشارک في قتله أحد من الصحابة، وإنما قتله همج ورِعاع من غوغاء القبائل وسفِلة الاطراف والأرذال، تحزّبوا وقصدوه من مصر، فعجزت الصحابة الحاضرون عن دفعهم فحصروه حتى قتلوه رضى اللّٰه عنه.

وأما علي رضي اللّٰه عنه فخلافته صحيحة بالإجماع، وكان هو الخليفة في وقته، لا خلافة لغيره.

وأما معاوية رضي اللّٰه عنه فهو من العُدول الفضلاء والصحابة

النجباء رضي اللّٰه عنهم.

وأما الحروب التي جرت فكانت لكلٍ طائفة شبهةٌ اعتقدت تصويب أنفسِها بسببها، وكلُّهم عدول رضي اللّٰه عنهم، ومتأوِلون في حروبهم وغيرها، ولم يخرِج شيء من ذلك أحداً منهم عن العدالة، لأنهم مجتهدون اختلفوا في مسائل من محل الاجتهاد، كما يختلف المجتهدون بعدهم في مسائل من الدماءِ وغيرها، ولا يلزم من ذلك نقص أحد منهم.

واعلم أن سبب تلك الحروب أن القضايا كانت مشتبهةً، فلِشدة اشتباهها اختلف اجتهادهم، وصاروا ثلاثة أقسام:

١:- قسم ظهر لهم بالاجتهاد: أن الحق في هذا الطرف، وأن مخالفه باغٍ، فوجب عليهم نصرته وقتالُ الباغي عليه فيما اعتقدوه، ففعلوا ذلك، ولم يكن يحل لمن هذه صفتُه التأخر عن مساعدة اِمام العدل في قتال البغاة في اعتقادِه.

٢:- وقسم عكس هولاء، ظهر لهم بالاجتهاد: أن الحق في الطرف الآخر، فوجب عليهم مساعدتُه وقتال الباغي عليه.

٣:- وقسم ثالث اشتبهت عليهم القضية، وتحيروا فيها، ولم يظهر لهم ترجيح أحد الطرفين، فاعتزلوا الفريقين، وأن هذا الاعتزال هو الواجب في حقهم، لأنه لا يحل الإقدام على قتالِ مسلمٍ حتى يظهر أنه مستحق لذلك، ولو ظهر لهولاءِ رجحان أحدِ الطرفين، وأن الحق معه؛ لَمَا جاز لهم التأخر عن نصرته في قتال البغاة عليه، فكلهم معذورون رضي اللّٰه عنهم.

ولهذا اتفق أهل الحق ومن يعتد به في الإجماع على قبول شهاداتهم ورواياتهم وكمال عدالتهم. رضي اللّٰه عنهم أجمعين.".

بعض مغالطات کی نشاندہی اور غلط فہمیوں کا ازالہ

پہلا مغالطہ: ''صحابی'' کی تعریف سے متعلق ائمہ دین کے واضح بیانات کے باوجود، بعض لوگوں کے ہاں اِس باب میں سخت (مغالطات، یا) غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں:

۱-: کسی مسلمان، بالخصوص صحابہؓ کو اُن کی عملی غلطیوں پر طعنہ دینا، اُن کی غیبتیں کرنا، تاریخ کی کمزور روایتوں کی بنیاد پر صحابہؓ پر بہتان باندھنا اور اِلزام تراشی کرنا۔

۲-: عین روافض کے طریقے پر، صحابۂ کرامؓ کو منافقین کے ساتھ خلط کرنے کی خطرناک کوشش، جس سے کہ سارا دین ہی مشکوک ہو کر رہ جاتا ہے، حالاں کہ علماء نے صراحت کی ہے: **إنه لم يوجد قطّ رواية عمن لُمِز بالنفاق من الصحابة** [**البحر المحيط للزركشي** ۴: ۳۰۰] (ذخیرۂ احادیث میں کوئی بھی روایت کسی ایسے شخص سے نہیں ہے جو نفاق سے متہم کیا گیا ہو)۔

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں: ولقائل أن يقول: إن هذا النفي مبني على معرفة أسمائهم أولاً؟ وجوابه: نعم، أسماؤهم معروفة، أحصاها البلاذُري في "أنساب الأشراف" ۱: ۳۲۵۔

پھر یہ بھی غور کرنے کا پہلو ہے کہ یہ منافقین تو غزوۂ اُحد ہی سے پائے جاتے تھے، تو بغیر کسی شرعی دلیل کے اُن کے ساتھ بعد میں اِسلام لانے والوں کو خلط کرنے کی کوشش کرنا، کیسا خطرناک ملحدانہ اور کفریہ اِقدام ہے؟ **!نعوذ بالله من هذا الخذلان!**

۳-: ''صحابی'' کی شاذ، یا باطل تعریفات کو جمہور کی تعریف باور کرانے کی کوشش۔ اور اپنی تلبیسات کو سخاویؒ اور سیوطیؒ جیسے ائمۂ اہلِ سنت کے سر تھوپنے کی کوشش۔

۴-: اہلِ حق میں سے جن حضرات نے ''صحابی'' ہونے کے لیے، کچھ مدت ساتھ رہنے کی شرط لگائی بھی ہے، اُن کے ہاں بھی اِس میں دو پہلو ہیں: ایک مطلق شرفِ

صحابیت کا۔ دوسرا علمی وفکری مقتدا اور متبوع ہونے کا۔ تو یہ شرط مقتدا بننے کے لیے ہے، مطلق صحابی ہونے کے لیے نہیں۔ مگر جن لوگوں نے اِس مسئلہ میں خلط کیا ہے اُنھوں نے علامہ سخاویؒ کی، کی ہوئی اِس وضاحت سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

۵-: پھر جن بزرگوں نے ''کچھ مدت ساتھ رہنے کی'' قید لگائی بھی ہے، تو اُن کے اَقوال بھی سال دو سال، یا غزوہ دو غزوہ ہی کے دائرے میں ہیں، فتحِ مکہ سنہ ۸ھ میں ہوئی، اُس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات (سنہ ۱۱ھ) تک، غزوۂ حنین، غزوۂ اَوطاس اور غزوۂ تبوک: تین غزوات ہوئے، تو جو حضرات فتحِ مکہ کے موقع پر اِیمان لے آئے، وہ تو یقیناً، اور جو غزوۂ تبوک (سنہ ۹ھ) سے پہلے بھی مشرف باسلام ہو گئے تھے، وہ تمام حضرات بھی ان بزرگوں کی تعریف کے لحاظ سے بھی ''صحابی'' ہو جاتے ہیں۔

مگر مبتدعین ومعاندین: اِن حضرات کی تعریفات کے پس پردہ اُن صحابہ سے اِظہارِ بغض کرتے ہیں جو متفق علیہ طور پر صحابہ میں سے ہیں، مثلاً:

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اہلِ بیعتِ رضوان میں سے ہیں، جن کی مغفرت کے بارے میں نص قطعی ہے۔

حضرت خالد بن الولیدؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ فتحِ مکہ سے پہلے اِسلام لا چکے تھے، اور مختلف غزوات وسرایا میں شریک ہوئے تھے، بلکہ دونوں ہی بعض بعض سرایا کے امیر بھی بنائے گئے۔

حضرت ابوسفیانؓ اور حضرت معاویہؓ فتحِ مکہ کے موقع پر اِسلام لائے ہیں، اور ایک سے زائد غزوات میں شرکت فرمائی ہے، پھر مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہیں۔

۶-: اور نعوذ باللہ اَب تو معاملہ اور آگے بڑھ چکا ہے کہ حضراتِ شیخینؓ پر بھی تبرے بازی شروع ہو گئی ہے، اور اُن کی خلافت کے قیام کی صحت تک مشکوک قرار دی جارہی ہے، علامہ حدادی یمنی حنفیؒ ''الجوہرۃ النیرۃ'' ۲/۲۷۶ میں فرماتے ہیں:

مَـن سبَّ الشيخين أو طعن فيهما يكفر، ويجب قتلُه، ثم إن رجع وتـاب وجـدَّد الإسـلام هل تقبل توبته أم لا؟ قال الصدر الشهيد: لا تقبل تـوبتــه وإسـلامــه، وبــه أخـذ الـفـقيـه أبو الليث السمرقندي وأبو نصر الدبوسي ....

سبِّ شیخین کرنے والے کے لیے فقہائے حنفیہ کا ایک قول یہی ہے۔

دوسرا مغالطہ: اِمام اِسحاق بن راہویہؒ سے نقل کیا جاتا ہے کہ سیدنا حضرت امیر معاویہؓ کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث وارِد نہیں ہوئی ہے!!

أ: اِس سلسلے میں پہلی بات تو یہ عرض ہے کہ ''فضائل'' کا باب تو ایک اِضافی چیز ہے، نہ معلوم کتنے صحابہ اور صحابیات، بناتِ طیبات، بلکہ بہت سے انبیائے کرام علیہم السلام کی ذواتِ قدسیہ ایسی ہیں کہ اُن کے نام اور شخصیت کی تعیین کے ساتھ، کوئی حدیث وارِد نہیں ہوئی ہے، تو اِس میں نقص کون سا ہے؟ کیا کسی ذات کی فضیلت کے لیے تنہا اُس کا (نبی، یا) صحابی ہونا کافی نہیں؟

ب: دوسری بات یہ کہ امام اِسحاق بن راہویہؒ کا یہ اِرشاد ایک محدِّثانہ اصطلاح کے پس منظر میں ہے، تفصیل کا موقع نہیں، خلاصہ اُس کا یہ ہے کہ اصطلاحی صحت کی نفی سے، نہ ثبوت کا اِنکار لازم آتا، نہ ضعف کا اِثبات، لہٰذا ''حسن'' ہونے کا احتمال باقی رہتا ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ وغیرہ محققین نے اس کی صراحت فرمائی ہے، اور علامہ عبدالحیٔ لکھنویؒ نے ''الرفع والتکمیل'' (ص ۱۹۱-۱۹۸) میں اِس پر مستقل فصل بھی قائم فرمائی ہے۔

ج: چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ کے فضائل میں امام ترمذیؒ (۳۸۴۲) نے ایک حدیث کی تخریج فرما کر، اُس پر ''حسن'' ہونے کا حکم لگایا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''**قال النبي صلى الله عليه وسلم لِمُعاوية: اللهم اجعله هادياً مَهدياً، واهدِ به**''.

د: اِس کے علاوہ بابِ فضائل میں تو باتفاقِ محدثین حدیثِ ضعیف بھی معتبر ہے،

اور حضرت معاویہؓ کے فضائل ومناقب میں ضعیف احادیث تو کئی ایک موجود ہیں، آپ کے حالات اور فضائل ومناقب پر علماء نے مستقل طور پر کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں۔

ھ: نیز اِس کے علاوہ کتابتِ وحی کا شرف، اولین بحری غزوہ کی قیادت کی سعادت، اور غزوۂ قسطنطنیہ وغیرہ سے متعلق ایسی احادیثِ صحیحہ بھی ہیں جن میں دی گئی بشارتوں کے آپ باجماعِ اہلِ حق، اولین مصداق ہیں۔

سن کر تمہارا نام مسلماں تو کھل اٹھے ۔۔۔ لیکن عدوئے دین کا چہرہ بگڑ گیا

حضرت معاویہؓ کی وہ حضرت علیؓ سے جنگ ۔۔۔ پائے خطا تھا اور رہِ جنت پہ پڑ گیا

ومن یکن یطعن في معاویة

فذاک کلب من کلاب الهاویة

تیسرا مغالطہ: یہاں دو بحثیں الگ الگ تھیں: ایک عدالتِ صحابہ کی، دوسری مشاجراتِ صحابہ کی۔ تو اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک: عدالتِ صحابہ کی بحث تو عقیدے کے تحت آتی ہے، کہ تمام صحابہؓ کو عادل اور ثقہ ماننا ضروری ہے، مگر مشاجراتِ صحابہؓ کی بحث عقیدے کا موضوع نہیں بنائی جاتی، گذشتہ صفحات میں تسلسل اور تواتر کے ساتھ یہ بات گذر چکی ہے کہ "مشاجراتِ صحابہ" کا موضوع لپیٹ کر رکھنے کا ہے، عوام، بلکہ عامی اور سطحی قسم کے اہلِ علم کے سامنے بھی بیان کرنے کا نہیں، اور نہ ایسے لوگوں کے بیان کرنے کا ہے!

اور جہاں بھی بیان کیا جائے گا تو بغیر فریق (یا حَکَم اور فیصل) بنے ہوئے، تمام صحابہ کے بارے میں حسنِ ظن کے پہلو کو سامنے رکھ کر، گفتگو کی جائے گی۔

مگر اس سلسلہ میں خلط کا شکار عدالت کے مسئلے کو مشاجرات کے موضوع سے خلط کر کے، مشاجرات کو بھی عقائد کا حصہ قرار دینا چاہتے ہیں۔

چوتھا مغالطہ: یہ بات بہت زور شور سے کہی جا رہی ہے کہ یہ موضوعات اگر ایسے ہی شجرۂ ممنوعہ تھے تو مؤرخین ومحدثین نے اُن کو اپنے ہاں بیان کیوں کیا؟

۱:- اِس کا ایک جواب تو پہلے دیا جا چکا ہے (ص ۱۹-۲۰)۔

۲:- اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ اگر کوئی مؤرخ اپنی تاریخ میں کوئی حکایت نقل کرتا ہے، یا اِسی طرح کوئی محدّث اپنی کتاب میں کوئی روایت بیان کرتا ہے، تو یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ کس حیثیت سے بیان کر رہا ہے؟ دلیل اور حجت کے طور پر؟ یا صرف اُس کو ردّ کرنے کے لیے؟ جیسا کہ اِس کے نمونے ابھی ''صحابی'' کی تعریف کے سلسلے میں گذرے، کہ سخاویؒ وغیرہ نے بعض تعریفات صرف ردّ ہی کے لیے ذکر کی تھیں، تا کہ خالی الذہنی میں کوئی شخص اُن کو قبول نہ کر لے۔

علامہ ذہبیؒ وغیرہ محدثین کثرت سے اِس طرح کے جملے کہتے ہیں: **ذکرناه للتعجب.** ...... **نبهنا عليه لئلا يُغترّ به**......، کہیں کہیں صاف صاف نکارت، غرابت، ضعف، وضع یا بطلان کا حکم بھی لگاتے رہتے ہیں۔

۳-: اور بعض مرتبہ صرف واقعات کی کڑی ملانا اور اپنے تک پہنچی ہوئی بات آگے بڑھانے دینے کا شوق اس کا محرک ہوتا ہے، مؤرخ ابن جریر طبریؒ اپنی تاریخ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

فما يكن في كتابي هذا من خبرٍ ذكرناه عن بعض الماضين مما يستنكره قارئه، أو يستشنعه سامعه، من أجل أنه لم يعرف له وجهاً في الصحة، ولا معنى في الحقيقة، فليَعلم أنه لم يؤت في ذلک من قبلنا، وإنما أتى من قبل بعض ناقليه إلينا، وإنا إنما أدينا ذلک على نحو ما أدى إلينا.

اِس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ طبری کا مقصود صرف اُن تمام (رطب ویابس) اخبار وحکایات کو جمع کر دینا تھا جو اُن تک پہنچی ہیں، اُن میں سہی غلط کی کوئی بحث نہیں کی گئی ہے۔

۴-: اِسی طرح حافظ ابن کثیرؒ "البداية والنهاية'' ۸/۲۲۰ میں ''کربلاء'' کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **ولولا أن ابن جرير وغيره من الحفاظ والأئمة ذكروه ما سقتُه**......۔

معلوم ہوا کہ بہت سی روایات ایک دوسرے کی متابعت میں بھی بیان کردی جاتی ہے۔

۵:- حافظِ ذہبیؒ فرماتے ہیں:.......**ووقع في كتب التواريخ وكتب الجرح والتعديل أمور عجيبة، والعاقل خصم نفسه، ومن حسن إسلام المرء: تركُه ما لا يعنيه [سير أعلام النبلاء ۱۰/۹۳].**

(تاریخ اور جرح وتعدیل کی کتابوں میں عجیب عجیب باتیں آ گئی ہیں، اَب عقلمند وہ ہے جو پہلے خودکو دیکھے، اور اچھا مسلمان وہ ہے جو بے وجہ کے موضوعات اور بے فائدہ معاملات سے خودکو دور رکھے)۔

پانچواں مغالطہ: اِعتقادی واصولی گمراہیوں کو، عملی وفروعی لغزشوں سے خلط کرنا۔ اور اِسی بنا پر حدودِ اِختلاف یا مواقعِ اصلاح میں خلط۔

دِین میں یہ بات مسلَّمات میں سے ہے کہ کسی مسلمان کی عملی لغزشوں اور غلطیوں کا، بغیر شرعی ضرورت کے اُس کے پسِ پشت تذکرہ کرنا غیبت کہلاتا ہے، جو حرام ہے، اور اِس جرم کی شناعت اُس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب کہ اُس گنہ گار کا انتقال بھی ہو چکا ہو، اور اگر وہ صحابہ اور اولیاء میں سے ہو تو پھر تو اِس ''مردار گوشت کی سمّیت'' میں اور بھی اِضافہ ہو جاتا ہے: **لحوم العلماء مسمومة، وأسمُّ منها لحوم الصحابة والأولياء**۔

اور اِس سے بھی بڑھ کر کسی صحابی کی اِجتہادی خطا کو طعن وتشنیع کا موضوع بنانا: تو یہ تو سوائے اپنی بدبختی کی دلیل فراہم کرنے، اور رسوائی کا سامان بہم پہنچانے کے اور کچھ نہیں ہے، اور جس شخص کی طرف سے یہ اُمور پیش آئے ہیں اُس نے تو کچھ بھی نہ چھوڑا، ایسی غلطیوں کو بھی بیان کر ڈالا جن کی توبہ کی قبولیت اور تلافی کی بشارت بھی مل چکی تھی!!

اِس کے برخلاف فکر وعقیدہ کی غلطیوں پر تنبیہ، اُس کے داعیوں پر بقدرِ ضرورت اور بوقتِ ضرورت ردّ، یا ملحدوں و بددینوں اور اہلِ تلبیس کی تلبیسات کی نشاندہی، اِسی طرح راویوں کی اغلاط کی گرفت: یہ سب ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ (مستفاد از: کتبِ اصولِ حدیث)

چھٹا مغالطہ: جمہور کے مفہوم میں خلط:

فکری وعملی غلطیوں میں خلط کے نتیجے میں: ''جمہور'' کے مفہوم میں خلط۔

یہ معلوم ہی ہے کہ اُمت میں تقلید واِتباع کے لیے دوسلسلے جاری ہیں:

(ا) ایک اُصولی اوراعتقادی مسائل سے متعلق، جن کا سارا کا سارا مدار: شرعی نصوص اور روایتی نقول (کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اورتعاملِ سلفِ صالحین) پر ہوتا ہے، اُن میں قیاس کا کوئی دخل نہیں ہوتا، كما صرح به الإمام البزدوي في ''ميزان الأصول'' [۱/۷]۔

ایسے مسائل میں اہلِ حق کی جماعت کے لیے ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کا لقب اور ''جمہور'' کا عنوان اختیار کیا گیا ہے، جس کے ذریعے ''اہلِ بدعت'' اور ''اہلِ باطل'': روافض، خوارج، نواصب، جبریہ، قدریہ، معتزلہ، مرجئہ، جہمیہ، مشبِّہہ، مجسِّمہ، معطِّلہ اور نیچری وغیرہ فرقوں سے اِمتیاز مقصود ہوتا ہے۔

ائمۂ اربعہ اوراکثر فقہاء، اُصولیین، محدثین، صوفیاء وغیرہم: فکر وعقیدے میں جماعتِ ''اہل السنۃ والجماعۃ'' سے تعلق رکھتے ہیں، عقائد کے سلسلے میں اُن میں آپس میں جو اِختلافات پائے جاتے ہیں وہ یا تو جزوی نوعیت کے ہیں، یا ایک دوسرے کے منشا کو نہ سمجھنے کی بنا پر اِصطلاحات کے فرق، اورلفظی اِختلاف پر مبنی ہیں، جیسا کہ محققین نے اِس کی تصریح کی ہے، بلکہ مختلف فیہ مسائل میں تطبیق بھی بیان فرمائی ہے، اِسی لیے اِن اِعتقادی مسائل کوعوام کے سامنے چھیڑنے سے منع کیا جاتا ہے۔

اِس کے برخلاف جن مسائل میں اہلِ باطل فرقوں سے اہلِ حق کا اِختلاف ہے، اُن کو بیان کرنا، اورعوام کو اُس میں حق وباطل کے فرق سے آگاہ کرنا: یہ علمائے زمانہ کا فرضِ منصبی ہے، اِس میں ہرگز کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔

اَب یہاں پر اہلِ حق ہی کے بعض غلو پسند لوگ دونوں حیثیتوں میں فرق ملحوظ نہیں رکھ پاتے، اوراہلِ حق کے آپسی اِختلافات میں بھی تشدد سے کام لیتے ہیں، پھراس

کے ردِعمل میں دوسری جانب سے بھی شدت آ جاتی ہے، جس سے بلاوجہ آپس میں دوریاں بڑھتی ہیں، اور اِختلافات میں اضافہ ہوتا ہے۔

حافظ ابن دقیق العیدؒ نے ''الاقتراح'' (ص ۵۷) میں وہ اَسبابِ خمسہ بیان فرمائے ہیں جن سے اِس طرح کی بے اعتدالی اور افراط وتفریط پیدا ہوتی ہے۔

(۲) دوسرا سلسلہ فروعی وعملی مسائل کا ہے، جن کا مدار نقول کے ساتھ ساتھ فقہی قیاس (استنباطِ علت، تعدیۂ علت اور تحقیقِ مناط وغیرہ) پر بھی ہوتا ہے، اجتہاد وقیاس میں آراء کا اِختلاف فطری بات ہے، اِس لیے اِس میں ائمۂ اَربعہ کے اجتہادی اختلافات کثرت سے پیش آئے ہیں۔

اور ایسے مسائل میں ''جمہور'' کی اصطلاح وہاں استعمال کی جاتی ہے، جہاں کسی مسئلے میں ایک طرف زیادہ علماء ہوں، دوسری طرف کم، اِس میں کسی جماعت یا مذہب کے لیے یہ اصطلاح خاص نہیں ہے، نہ معلوم کتنے مسائل ہیں جن میں حنفیہ کی رائے وہی ہے جو دیگر اکثر حضرات کی ہے، اِس لیے اُن مواقع میں وہ ''جمہور'' کے مفہوم شامل مانے جاتے ہیں، اور ان کے بالمقابل شافعیہ، یا مالکیہ، یا حنابلہ اُن مسائل میں جمہور کے خلاف ہوتے ہیں، اور کہیں اِس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔

اُصول وفروع کے اِن ہی دو سلسلوں کی وجہ سے کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ کوئی شخص فروعی طور پر ائمۂ اَربعہ میں سے کسی کی طرف اپنا انتساب رکھتا ہو، مگر اُصولی طور پر وہ کسی باطل فرقے (معتزلہ، روافض، نیچری، تجدد پسند......طبقات) سے وابستہ ہو۔

ساتواں مغالطہ: ابھی آخر میں ایک ''وضاحت نامہ'' جاری ہوا ہے، جس میں اپنے باطل عقائد میں سے کسی بھی عقیدے سے رجوع نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اُن موضوعات پر مزید اِصرار، اور حضراتِ صحابہؓ پر سابقہ اِلزامات کو علیٰ حالہ باقی رکھا گیا ہے: ﴿**ومن يُضلِلْه فلن تجد له ولياً مرشداً**﴾۔

اس ''وضاحت نامہ'' کے ذریعہ صرف متعلقہ افراد سے اپنے ذاتی تعلقات

اُستوار کرنے، اور بالا بالا معاملہ کو رفع دفع کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، گویا وہ ''عذرِ گناہ بدتر اَز گناہ'' کا مصداق ہے۔

جمہور کی اہمیت اور شذوذ کا منشا:

۱-: فخر العلماء حضرت علامہ سید سلیمان ندوی اشرفیؒ کے ہاں اِبتدائی دور میں کئی مسائل میں فکرِ جمہور سے عدول پایا جاتا تھا، جس کے نمونے ''تاریخ اَرض القرآن'' وغیرہ میں آج بھی موجود ہیں، بعد میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے اِصلاحی تعلق کے بعد (بتدریج) آپ نے اپنے اُن اَفکار و عقائد سے رجوع فرمالیا تھا (جس کی اِنتہا بظاہر پاکستان جانے کے بعد ہی ہوسکی تھی)۔

بہر حال حضرت علامہؒ کو اِس کا اِحساس بھی بہت رہا، جس کا اندازہ آپ کے آخری دور کی بعض تحریروں سے ہوتا ہے، اُسی زمانے کی یہ تحریر بھی قابلِ ملاحظہ ہے:

''......دوسری چیز یہ ہے کہ ''جمہور اِسلام'' جس مسئلہ پر پوری طرح متفق ہوں اس کو چھوڑ کر تحقیق کی نئی راہ اِختیار نہ کی جائے، یہ طریق: تواتر و توارث کی بیخ کنی کے مرادف ہے، اِس گناہ کا مرتکب کبھی میں بھی ہو چکا ہوں، اور اس کی اِعتقادی و عملی سزا بھگت چکا ہوں، اِس لیے دل سے چاہتا ہوں کہ اَب میرے عزیزوں و دوستوں میں سے کوئی اس راہ سے نہ نکلے، تاکہ وہ اُس سزا سے محفوظ رہے جو اُن سے پہلوں کو مل چکی ہے''۔ (سید سلیمان، یکم ذی قعدہ ۱۳۶۳ھ۔ اقتباس از مکتوب۔ اِشاعت: ماہنامہ بینات ۱۳۸۸ھ جمادی الآخرہ، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی)

۲-: شیخ عبد الفتاح ابو غدہؒ نے ''صفحات من صبر العلماء'' ص ۱۰۹ میں ایک بہت لطیف نکتہ بیان فرمایا ہے: کہ جن کی عقلوں میں شذوذ ہوتا ہے، اُن کو ہر مسئلے میں شاذ اَقوال ہی سے مناسبت ہوتی ہے۔

۳-: نابغۂ عصر حضرت الشیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ نے علامہ سیوطیؒ کی ''تدریب الراوی''

اپنی معیاری تحقیق اور بیش قیمت حواشی و اِفادات کے ساتھ پانچ جلدوں میں شائع فرمائی ہے، جس میں ''باب معرفۃ الصحابۃ'' (۵/۱۶۵-۱۹۰) کے تحت مختلف حواشی میں: صحابہ کی تعریف، ان کی عدالت، اور مقام ومرتبہ سے متعلق بہت شاندار گفتگو آ گئی ہے، بالخصوص سیدنا حضرت ولید بن عقبہؓ کے دفاع میں نہایت جامع اور پرمغز مضمون ہے۔

اپنے اِن اِفادات کی ابتداء میں آپ نے یہ بات بھی بہت اہم فرمائی ہے:

''فی الجملہ تعددِ اَقوال اور اِختلافِ آراء سے کون سا علمی موضوع خالی ہے؟ اَب معاند اور فتنہ پرور قسم کے لوگوں کو جب کوئی بات نہیں ماننی ہوتی، تو اِسی طرح کے اختلافات کا سہارا لے کر، مسلّمہ حقائق کا اِنکار کرنے لگتے ہیں، جب کہ جو لوگ انصاف اور حق کے طالب ہوتے ہیں وہ ہر مسئلہ میں جمہورِ امت اور سوادِ اعظم کے قول کو اختیار کر کے فکر وعمل ہر اعتبار سے یکسو رہتے ہیں'' (سبحان اللہ!!)۔

دعاء:- اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم (منعم علیہم کے راستہ) پر فکری، علمی اور عملی استقامت عطا فرمائے، ہر طرح کے زیغ وضلال اور شکوک وشبہات سے حفاظت فرمائیں، اور مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ أَصْحَابِیْ پر ثبات قدمی نصیب فرمائے۔ آمین

﴿رضي اللّٰه عنهم ورضوا عنه﴾، و﴿ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذين سبقونا بالإيمان، ولا تجعل في قلوبنا غلاً للذين آمنوا، ربنا إنك رؤوف رحيم﴾.

﴿إن أريد إلا الإصلاح ما استطعت، وما توفيقي إلا باللّٰه، عليه توكلت وإليه أنيب﴾، ﴿ربنا لا تزغ قلوبنا بعد إذ هديتنا، وهب لنا من لدنك رحمةً، إنك أنت الوهاب﴾، اللّٰهم ﴿إياك نعبد وإياك نستعين، اهدنا الصراط المستقيم، صراط الذين أنعمت عليهم، غير المغضوب عليهم ولا الضالين﴾، آمين.

ولا حول ولا قوة إلا باللّٰه العلي العظيم، وصلى اللّٰه تعالى على خير خلقه محمد وآله وأصحابه أجمعين، وآخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين.

شانِ صحابہ

خدا نے جب محبت سے محمدؐ کی ثنا کی ہے
کریں نعتِ نبیؐ ہم بھی کہ یہ مرضی خدا کی ہے

جگر پارہ ہے یا قرآن کا چھبیسواں پارہ
کہ خود نامِ نبیؐ پر نامِ سورۃ کی بنا کی ہے

انوکھی شان والی سورۂ اِنّا فتحنا ہے
حقیقت میں خدا نے یہ بڑی دولت عطا کی ہے

کہیں انعام کا وعدہ، کہیں اِظہار کا مژدہ
ثنائے عاشقانِ مصطفیٰ پر انتہا کی ہے

بڑی تقدیر والے ہیں نبی کے چاہنے والے
بڑے نازک زمانہ میں محمدؐ سے وفا کی ہے

عجب انداز سے شانِ نبی کا ذکر فرمایا
غلاموں کی ثنا بھی خود ثنا خیر الوریٰ کی ہے

خدائے پاک کا پیارا نبی خود کیا سے کیا ہوگا
کہ جب تاثیرِ صحبت نے کرامت کیا سے کیا کی ہے

محمد تو نبی ہیں ہی، مگر جو ان کے ساتھی ہیں
روش ان کے غلاموں کی بڑی پیاری ادا کی ہے

''اگر اپنوں میں مل بیٹھیں نہایت بھولے بھالے ہیں
جو بپھریں غیر سے، شدت عیاں قہر خدا کی ہے

کبھی سجدوں میں گرتے ہیں، کبھی خم ہیں رکوعوں میں
تلاشِ فضلِ رب ہے، جستجو اس کی رضا کی ہے

ذرا دیکھو تو پیشانی پہ تابندہ نشانی ہے
علامت پاک چہروں پر سجودِ کبریا کی ہے

یہی وہ ہیں کہ جن کا تذکرہ توریت میں آیا
یہی وہ ہیں کہ خود انجیل نے جن کی ثناء کی ہے

وہی کھیتی ہے یہ، کمزور تر تھیں سوئیاں جس کی
مگر اَب اس میں شادابی بہارِ جاں فزا کی ہے

کسان اِس لہلہاتے کھیت کے سرکارِ بطحا ہیں
مسرت سے عجب حالت حبیبِ کبریاؐ کی ہے

جو کافر ہیں وہی جل بھن کے پیچ وتاب کھاتے ہیں''
کوئی خوش ہو، کوئی روئے، یہی مرضی خدا کی ہے

جو اَعدائے صحابہؓ ہیں، بنی ہے خوب گت اُن کی
کہ ان کی زندگی ہی ماتم وآہ وبکا کی ہے

انہی کو حکم ہے اللہ کا ''وابکوا کثیراً'' کا
جو ہے ان کے عمل کا حال، وہ حالت جزا کی ہے

محمد کے وفاداروں سے وعدہ مغفرت کا ہے
بشارت بھی انھیں ''اجراً عظیماً'' کی عطا کی ہے

خداوندا! قسم ہے تیرے پیغمبرؐ کی عزت کی
محبت آلؓ واَصحابؓ محمد مصطفیٰؐ کی ہے

ابوبکر وعمرؓ، عثمانؓ وحیدرؓ کا طفیلی ہوں | محبت آلؓ واَصحابؓ پیمبر سے سدا کی ہے

ثنائے عاشقان مصطفیٰ قرآن سے لے کر | محبت کی زباں سے اپنے لفظوں میں ادا کی ہے

صحابہؓ کے وفاداروں کی یا رب! تو مدد فرما
بڑی اخلاص مندی سے یہ صوفیؔ نے دعا کی ہے

فرقِ مراتب

رسولِ پاکؐ سے بڑھ کر نہیں کونین میں کوئی | رسولِ پاکؐ سے بڑھ کر فقط رتبہ خدا کا ہے

نبی کے بعد اس امت میں ہے شیخینؓ کا درجہ | پھر اس کے بعد عثمانؓ وعلیؓ مرتضیٰؓ کا ہے

صحابہؓ میں ہے جو اَدنیٰ صحابی وہ بھی رتبہ میں | معظّم بعد والے قطب وغوث واَولیاء کا ہے

صحابہؓ میں بڑے ممتاز اَنصار ومہاجر ہیں | فدائی ان میں سے ہر ایک حبیبِؐ کبریا کا ہے

فزوں تر ان سے رتبہ میں ہیں اَصحابِ حدیبیہ | انہی کی بیعتِ رضوان میں مزدہ رِضا کا ہے

پھر اَصحابؓ حدیبیہ میں بھی ہیں اہلِ بدر اَفضل | کہ جن کی فتحیابی معجزہ خیرالوریٰ کا ہے

پھر اہلِ بدرؓ میں بھی چار یارؓ افضل ہیں رتبہ میں | پھر ان سے بھی بڑا رتبہ اگر ہے انبیاء کا ہے

نبیؐ کی بیبیوں کی شان ہے تطہیر کی آیت | یہ اُن کا خاص رتبہ فضل ذاتِ کبریا کا ہے

اسی تخصیص سے حسنینؓ وزہراؓ بھی مشرّف ہیں | ملائک سے فزوں تر مرتبہ آل عبا کا ہے

نبیؐ کی بیٹیاں چاروں اہلِ بیت میں شامل | بہت اونچا مقام ان سب کے اخلاص وصفا کا ہے

الٰہی صدقہ ان سب کا ہماری مغفرت فرما
وسیلہ کس قدر مضبوط اے صوفیؔ دعا کا ہے

از: حضرت سید عبدالرب صاحبؒ صوفی............................. یکے از مسترشدین:

حکیم الامت حضرت تھانوی   ومجازِ بیعت: حضرت مولانا سید محمد عیسیٰ الہ آبادی

ومصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ فتحپوری ثم الہ آبادی۔ **رحمهم الله أجمعين**

ربنا تقبل منا إنک أنت السميع العليم، وتب علينا يا مولانا إنک أنت التواب الراحيم